مسیحِ دوراں

غلام باری سیف

كُلُّ بَرَكَةٍ مِنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ

(تذکرہ صفحہ ۳۵)

ہر ایک برکت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ پس بڑا مبارک ہے وہ اُستاد جس نے تعلیم دی اور وہ شاگرد جس نے تعلیم حاصل کی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مسیح دوراں

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں میمون بن مہران کا یہ قول نقل کیا ہے کہ علماء عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ شاگردوں کی مانند تھے۔ اور یہی حق ہے۔ اب صاحبزادہ حضرت مرزا طاہر احمد امام ہونے کے ناطے ہمارے استاد ہیں اور ہم ان کے شاگرد۔

منصب خلافت پر سرفراز ہونے سے قبل آپ نے یہ الفاظ تحریر فرمائے تھے جو میرے لئے باعث صد افتخار ہیں۔ جزاہ اللہ عنی احسن الجزاء۔ (سیفؔ)

"استاذی المکرم مولانا غلام باری صاحب سیفؔ کو اللہ تعالیٰ نے تقریر و تحریر دونوں کا ملکہ عطا فرمایا ہے۔ اور زبان اور قلم دونوں میں اثر رکھا ہے خصوصاً سیرت کے مضمون کے ساتھ تو ان کو ایک فطری لگاؤ ہے اور واقعات کو محض ایک بیرونی نظر سے دیکھ کر بیان نہیں کرتے بلکہ محسوس کرتے

ہوئے واردات کے رنگ میں بیان کرتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بیان میں ایک خاص تاثیر اور لذّت پیدا ہو جاتی ہے ۔

حضرت اقدس کی سیرت پر آپ نے بارہا تقاریر فرمائیں لیکن غالباً یہ پہلا موقعہ ہے کہ آپ کی تحریری کاوش طبع ہو کر منظرِ عام پر آرہی ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ اس مختصر لیکن محبّت میں ڈوبی ہوئی پُرکیف تحریر سے قارئین کے قلب و نظر محظوظ ہوں گے اور یہ پاکیزہ ذکر ہر پڑھنے والے کے دل پر ایک دائمی پاکیزہ نقش چھوڑ جائے گا۔

والسّلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد

عرضِ حال

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عقیدت کے چند پھول جنہوں نے کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جامہ پہنا مقبول ہوئے۔ احباب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ خدا کرے یہ مقبول بارگاہ الٰہ بھی ہو۔

آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بعد آپ کے فرزند جلیل خادم قدنی کی سیرت پر چند صفحات پیش خدمت ہیں میری خوش قسمتی ہے کہ اس کا دیباچہ میرے اور جماعت کے محبوب آقا حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تحریر فرمایا۔

ان صفحات کے مطالعہ کے بعد آپ محسوس کریں گے کہ خادم نے آقا کے قدم مبارک پہ قدم رکھا شاگرد نے استاذ کی سیرت کی اتباع کی۔ اس لئے آپ کی سیرت کی ہر خوبی اور وصف اس پیکر جمال صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو ہے۔ اپنے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہو کر آپ فرماتے ہیں :-

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

کہ پیارے آقا! من و تو کا فرق جاتا رہا۔ میں قالب بنا تو آپ اُس کی رُوح۔ یہ اس لئے ہوا تا کوئی اس کے بعد یہ نہ کہے کہ میں

اور ہوں اور آپ اور۔

آپ نے سیرت صدیق اختیار کی اور وہ ہے فنا فی الرسول۔ یعنی آپ نے اپنے آقا کے عشق و محبت میں اپنے آپ کو فنا کر دیا۔ اس کوشش میں مجھے اسی مقام کی جھلکیاں پیش کرنا مقصود ہے۔

اور میرا ایمان و ایقان ہے کہ کوئی مومن صاحب سیرت نہیں بن سکتا۔ اس کے کردار کے خدوخال سنور نہیں سکتے جب تک وہ فخر کائنات سرتاج مرسلین خاتم النبیین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو نہ اپنا لے۔

پیکر جمال، اور نور مجسم وہ آمنہ کا لال ہے۔ جس نے اس کی حقیقی اتباع کی اس میں حسن پیدا ہوا۔ وہ صاحب جمال بنا۔ حضرت اقدس مرزا غلام احمد بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

واللہ ماحصل لی ھذا المقام الامن انوار اتباع اشعة المصطفویه[1]

بخدا مجھے یہ مقام صرف اس سورج کی کرنوں کے نور کی اتباع کی بدولت نصیب ہوا جو وادیٔ حجاز سے طلوع ہوا تھا۔

وہ چشمہ جو وادیٔ بطحا سے پھوٹا۔ وہی حقیقی کوثر ہے۔ وہ منبع جود و سخا ہے۔ اُس کے مکتب کا شاگرد رشید کبھی خیر سے محروم نہ رہے گا۔ اور جس قدر کوئی عرصات عشق محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں قدم آگے رکھے گا۔ وہ خدا کے فضلوں سے حصہ وافر پائے گا۔ وہ خدا کا محبوب بنے گا۔ حضرت سلمانؓ فارسی حدیث

---

[1] حقیقة الوحی الاستفتاء ص ۶۵

رسول بیان کرتے ہیں:۔

اللہ باحیا سخی ہے۔ اُسے اپنے بندے کو خالی ہاتھ لوٹاتے شرم محسوس ہوتی ہے۔[1]

قارئین کرام! خدا سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی محبّت اور اتباع کا سوال کیجیئے کہ اگر یہ بھیک مل گئی تو سیرت سنور جائے گی۔ دُنیا سنور جائے گی۔ دین سنور جائے گا۔ ؎ اَے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

جس نے اس "الشمس" سے روشنی حاصل کی۔ وہ سماء روحانیت کا قمر بنا۔ ستارے بنے۔ اور انہیں چاند ستاروں سے اسلام کے آسمان کی سج دھج ہے مبارک ہے وہ جو اُس روشنی سے حصّہ پاتا ہے۔ آئندہ صفحات میں اُس روشنی سے حصّہ پانے والے کی سیرت کا مطالعہ کیجیئے۔

کُلُّ برکۃٍ من محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم فتبارک من عَلّمَ وتعلّم

خاکسار

غلام باری سیف عفی عنہ

۱۲؍ اپریل ۱۹۸۱ء

۱۔ بخاری

وہ آیا منتظر تھے جس کے دِن رات

تیرہ ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء جمعہ کے روز طلوع فجر کے ساتھ قادیان کی بستی میں مرزا غلام مرتضیٰ کے گھر ایک بچّہ پیدا ہوا۔ یہی وہ سال ہے جب صوبہ پنجاب میں لدھیانہ کے مقام پر پادری جے۔سی لوری نے پہلا عیسائی مشن قائم کیا۔ اِدھر صلیب کے پرستاروں نے صلیب نصب کی اُدھر خدائے اسلام نے دین متین کا دَرد رکھنے والے، اعلیٰ حسب و نسب والے خاندان میں کاسرِ صلیب کو مبعوث فرمایا۔

اسلام کے شیدائی والد نے بچّہ کو گھر پر رکھ کر متداول اور دینی علوم کی تعلیم دلائی۔ یہ بچّہ بڑا ہُوا تو ہمہ وقت عبادت اور مطالعہ میں مصروف رہتا۔ قرآن پر غور و فکر کرتا۔ یادِ الٰہی میں مصروف رہتا ۔۔۔۔ کثرت مطالعہ، تعبّد، شب بیداری اور دماغی محنت نے آپ کی صحت پر بھی اثر کیا۔ آپ نے اسلام پر عیسائیوں کے تین ہزار اعتراضات جمع کیے۔[۱]

اسلام کی کسمپرسی اور بے بسی نے اس صالح نوجوان کی نیند اچاٹ کر دی۔ آپ کی اس حالت کو دیکھنے والے ایک صاحب مولوی فتح دین صاحب دھرم کوٹی بیان کرتے ہیں۔ ایک رات میں نے دیکھا آپ سخت بے چین ہیں اور کروٹ پر کروٹ بدل رہے ہیں۔ صبح مَیں نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

۱۔ الحکم جلد ۵ صفحہ ۱۶

"جس وقت ہمیں اسلام کی مہم یاد آتی ہے۔ اور جو جو مصیبتیں اس وقت اسلام پر آ رہی ہیں ان کا خیال آتا ہے۔ تو ہماری طبیعت سخت بے چین ہو جاتی ہے۔ اور یہ اسلام کا ہی درد ہے جو ہمیں اس طرح بے قرار کر دیتا ہے۔" [1]

آغاز جوانی میں ہی آپ کو کشوف و رؤیا میں متعدد بار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم فداہ ابی و امی کی زیارت نصیب ہوئی۔ والد محترم دیکھتے کہ ان کا بیٹا دُنیوی امور میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ وہ بچے کا یہ انقطاع دیکھتے تو دل میں کڑھتے اور کہتے یہ بچہ تو بالکل میتٹر یعنی مسجد کا ہی ہو گیا ہے۔ پھر کہتے اصل کام تو یہی ہے جس کی طرف اس کی توجہ ہے ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں۔ اور پھر بحسرت یہ گنگناتے ؎

عمر بگذشت و نماند جز ایامے چند ❊ بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند [2]

کہ عمر بیت گئی اور اب تو چند روز باقی ہیں۔ بہتر ہے کہ کسی کی یاد میں یہ صبح و شام بسر ہوں۔

وہ خدا جو دلوں کے راز جانتا ہے۔ جس سے دل کی کوئی کیفیت پوشیدہ نہیں۔ اس نے اس دردمند انسان کی گریہ وزاری کو سنا اور اپنی تقدیر کے تحت اُسے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی برکت روحانیہ سے تیرے ذریعہ اسلام کو نئی زندگی عطا کرے گا۔ [3]

---

[1] ۔ سیرت المہدی حصہ سوئم صفحہ ۲۹ ۔ [2] ۔ کتاب البریہ
[3] ۔ تذکرہ صفحہ ۲و۳ ۔

آپ کے تقویٰ، نیکی کا چرچا ہوا ۔ اپنے اور بیگانے مُسلم اور غیر مُسلم آپ کی نیکی کے معترف ہوئے اور غیروں کی زبان سے یہ سُنا گیا ۔

"یہ شخص زمینی نہیں آسمانی ہے ۔ یہ آدمی نہیں فرشتہ ہے۔" [۱]

کسی شخص کی عظمت کا اندازہ اس کے کاموں سے کیا جاتا ہے یا اس کی سیرت سے ۔ مذہبی نکتہ نگاہ یہ ہے کہ سیرت اور کردار اس کی شخصیت کو جانچنے کا ایک صحیح اور درست معیار ہے ۔ اگر اللہ کا فضل شامل حال نہ ہو تو سیرت اور کردار کی تعمیر ناممکن اور محال ہے ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم فداہ نفسی ونفوس العالمین اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمایا کرتے تھے ۔

"اے اللہ احسن اخلاق کی طرف میری راہنمائی کیجئے کہ تیرے سوا کوئی اس جانب میری راہنمائی نہیں کر سکتا ۔" [۲]

آئندہ صفحات میں بہت اجمال سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی سیرت و عادات پر کچھ عرض کیا ہے جس میں خدا، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اس کی پاک کتاب قرآن سے آپ کے عشق اور شفقت علی اللہ کو زیادہ نمایاں کیا ہے ۔ کتاب کے آخری باب میں آپ کے مختصر سوانح پیش کئے ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ طالبانِ حق اور نوجوانوں کے لئے یہ کوشش مفید ہو گی ۔

حُلیہ مبارک

آپ کے برادرِ نسبتی حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب سول سرجن فرماتے ہیں :-

---

[۱] : تذکرۃ المہدی حصّہ دوئم ۔ [۲] ۔ ترمذی ابواب الدعوات ۔

حضرت اقدس بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ مردانہ حُسن کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ کتابی چہرہ جو ہر وقت بشاش اور کندن کی طرح دمکتا تھا۔ آخر عمر تک اس پر جھریاں کے نشان نہ تھے۔ دوہرا جسم، اعلیٰ درجہ کا گندمی رنگ، کشادہ سینہ، سیدھی کمر۔ قد اندازاً پانچ فٹ آٹھ انچ۔ متناسب اعضاء، جلد نہ عورتوں جیسی ملائم نہ کھُردری۔ عضلات جوانوں کی مانند سخت۔ آخر عمر تک نہ چہرہ پر جھریاں آئیں نہ کھال لٹکی۔

سَر کے بال بہت باریک، سیدھے، چکنے، چمکدار اور نرم تھے۔ آخری عمر میں صرف مہندی استعمال فرماتے۔ پہلے مہندی کے ساتھ خضاب استعمال فرماتے۔ بال گھنے اور کثرت سے نہ تھے۔ سر کے بال منڈواتے نہ تھے۔ نہ خشخاشی کرواتے۔ بلکہ پٹوں کی طرح لمبے ہوتے۔ سَر میں حنا یا چنبیلی کا تیل ڈالتے۔

داڑھی گھنی اور بہت خوبصورت تھی۔ اس کے بال مضبوط، موٹے اور چمکدار تھے۔ داڑھی کو لمبا چھوڑ کر بڑھے ہوئے بال حجامت کے وقت کترواتے۔ ریش مبارک چہرہ کے تینوں طرف تھی۔ رخسار بالوں سے پاک اور چمکدار تھے۔ آپ لبیں کترواتے تھے مگر اتنی نہیں کہ منڈوائی ہوئی معلوم ہوں۔ نہ اتنی لمبی کہ ہونٹوں کے کناروں سے نیچے ہوں۔

پیشانی مبارک کشادہ اور سیدھی تھی نہ آگے کو نکلی ہوئی تھی نہ پیچھے کو دھنسی ہوئی۔ بلند اور چوڑی تھی۔ جبیں مبارک سے فراست اور ذہانت ہویدا تھی۔ سَر آپ کا بڑا تھا۔ ہر سمت سے متوازن۔ لمبا بھی تھا اور چوڑا بھی۔ اونچا بھی۔ اوپر کی سطح کا اکثر حصہ ہموار۔ اور پیچھے سے گولائی تھی۔ پیشانی پر شکن کے نشانات

نہ تھے ۔ ناک خوبصورت پتلی اور بلند و بالا تھی ۔ رخسار مبارک نہ پچکے ہوئے نہ باہر کو نکلے ہوئے ۔ بھنویں الگ الگ تھیں ۔ ابرو پیوستہ نہ تھے ۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں ۔ مگر پپوٹے بھاری تھے ۔ آنکھیں ہمیشہ غضِّ بصر کے رنگ میں رہتیں ۔ گھر میں بھی یہی کیفیت رہتی ۔ عینک آخر عمر تک نہیں لگائی ۔ لب مبارک نہ پتلے تھے نہ موٹے ۔ دہانہ متوسط ۔ جب باتیں نہ کرتے ہوں تو منہ کھلا نہ رہتا مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو پگڑی کے شملہ سے دہن مبارک ڈھک لیا کرتے تھے ۔ گردن متوسط تھی نہ بہت لمبی نہ موٹی ۔

اپنے مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق جسمانی پاکیزگی اور زینت کا خیال رکھتے تھے ۔ غسل جمعہ ۔ حجامت ۔ حنا ۔ مسواک ۔ تیل ۔ خوشبو ۔ کنگھی اور آئینہ کا استعمال مسنون طریق پر فرماتے ۔ لیکن ان امور میں انہماک ہرگز نہ تھا ۔

لباس و خوراک

لباس آپ کا صاف اور سادہ ہوتا تھا ۔ آپ پاجامہ ، قمیص ، صدری اور لمبا کوٹ پہنتے تھے ۔ جاں نثار اکثر کپڑے تحفہ کے طور پر پیش کرتے اور آپ کے کپڑوں کا تبرک طلب کرتے ۔ قمیص یا کُرتہ پہنتے ۔ لیکن انگریزی طرز کے کالر والی نہیں ۔ بازو بھی اس کا کُھلا پسند فرماتے ۔ اگر بٹن والی آستینیں ہوتی تو بٹن کُھلا ہی رکھتے ۔ اور کُھلا کُرتا پسند فرماتے ۔ پاجامہ شروع میں نسبتاً ڈھیلا مردانہ پاجامہ پہنا کرتے ۔ لیکن آخری عمر میں تنگ موری کا پہنتے ۔ صدری بھی استعمال فرماتے ۔ جس کی جیب میں بڑا رومال ہوتا ۔ اور لمبا کوٹ زیبِ تن فرماتے

بنیان آپ نہیں پہنتے تھے۔ اور گھڑی بھی آپ جیبی رکھتے تھے۔ جو رومال میں بندھی ہوتی تاگر نہ جائے۔ پگڑی اکثر سفید رومی ٹوپی پر باندھتے اور ڈھیلی ڈھالی۔ گھر میں تہ بند بھی باندھ لیتے۔ لباس میں تکلّف بالکل نہ تھا۔ روزانہ بدلنے کا اہتمام نہ فرماتے تھے۔ ہاں صاف ضرور ہوتا تھا۔ سردیوں میں جراب بھی استعمال فرماتے جوتا اکثر دیسی پہنتے۔ اگر جوتی تنگ ہوتی تو اس کی ایڑی بٹھا لیتے۔ ہاتھ میں عصا رکھتے تھے۔ لیکن اس پر سہارا دے کر نہیں چلتے تھے۔

سردیوں میں اوپر دُھسہ اوڑھتے۔ لیکن وہ سر پر نہ ہوتا تھا۔ آپ کا لحاف بہت کھُلا ہوتا۔ اس میں پانچ یا چھ سیر روئی ہوتی۔ توشک آپ ہر موسم میں بچھاتے اوپر چادر اور تکیہ ہوتا۔

خوراک

جو گھر میں پکتا آپ کھا لیتے۔ علمی کام کی کثرت کی وجہ سے جب توانائی کی ضرورت ہوتی تو یخنی یا مُرغ بھی استعمال فرماتے۔ پرندوں میں سے فاختہ۔ تیتر اور بٹیر پسند فرماتے۔ لیکن طاعون کے زمانہ میں بٹیر کے گوشت کا استعمال ترک ہوتا گوشت اگرچہ روزانہ پکتا تھا لیکن آپ کو ماش کی دال زیادہ پسند تھی۔ آپ بہت تھوڑا کھانا کھاتے۔ آہستہ آہستہ چبا کر کھاتے۔ سالن بھی بہت کم استعمال فرماتے بعض دفعہ صرف لقمہ کو نمکین کرنے کے لئے انگلی کے پورے سے ذرا سا سالن لگا کر زبان پر لگا لیتے۔ گڑ کے چاول بھی آپ کو پسند تھے۔ کبھی کبھی کہہ کر بھی پکواتے تھے کھانے میں یہ اہتمام نہ فرماتے کہ یہ پکواؤ۔ یہ نہ پکواؤ۔ صبح ناشتہ

میں چائے بھی نوش فرمالیتے۔ چائے سبز آپ کو پسند تھی۔ لذیذ مزیدار کھانوں کا شوق نہ تھا۔ مدتوں آپ کا دستور رہا کہ کھانا باہر مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے۔ گھر میں کھانا تناول فرماتے تو حضرت امّ محمود اور بچوں کے ساتھ تناول فرماتے۔ کھانے کی مذمت آپ کبھی نہ کرتے۔ روٹی تندوری اور چولہے دونوں کی کھالیتے تھے۔ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھوتے۔ کھانے کے بعد خلال بھی کرتے۔ دودھ کا استعمال سوتے وقت ضرور فرماتے۔ گرمیوں میں کھانے کے ساتھ لسی بھی نوش فرماتے۔ پھلوں میں سے آم۔ انگور۔ کیلا، سنگترہ، سیب اور سردہ آپ کو بہت پسند تھا۔ شہتوت بیدانہ بھی اپنے احباب کے ساتھ باغ میں جاکر کھاتے۔ خشک میووں میں سے صرف بادام پسند تھا۔ گرمی کے دنوں میں سوڈا اور برف بھی استعمال فرماتے تھے۔ بچوں کو کبھی مٹھائی اور سموسے بھی منگواکر کھلاتے۔

اپنے کھانے سے زیادہ مہمان کے کھانے کا اہتمام فرماتے۔ پان کبھی کبھار گلے کی صفائی کے لئے آپ کھالیتے۔ تمباکو اور حقّہ آپ کو سخت ناپسند تھا۔

اندازِ گفتگو

حضور کی گفتگو کا انداز یہ تھا کہ ابتداء میں آپ آہستہ آہستہ کلام شروع فرماتے تھے۔ مگر پھر حسب حالات اور حسبِ تقاضائے وقت آواز بلند ہوتی جاتی تھی۔ لیکن تاثیر کا یہ عالم تھا کہ بات دل میں اُتر جاتی اور رُوح میں ایک کیف پیدا کردیتی۔ یوں معلوم ہوتا جیسے دلوں کا زنگ دُھل رہا ہے۔

چہرہ کی جلد نرم تھی۔ اس لئے جذبات کا اثر فوراً ظاہر ہونے لگتا تھا۔
زبان بہت صاف تھی۔ کسی لفظ میں کبھی کبھی خفیف سی لکنت پائی جاتی جسے صرف ایک چوکس آدمی ہی محسوس کر سکتا تھا۔
آپ کبھی ذو معنی بات نہ کرتے۔ نہ کبھی کسی کو لگا کر بات کرتے۔ نہ آنکھ کے اشارے سے بات کرتے۔
دوست ہو یا دشمن۔ اپنا ہو یا بیگانہ سب کا نام آپ ادب و احترام سے لیتے۔

اندازِ مجلس

آپ کی مجلس میں آپ کے لئے کوئی امتیازی مقام نہ ہوتا تھا۔ ہر طبقہ کے لوگ آپ کی مجلس میں آپ کے ساتھ مل کر اس طرح بیٹھے ہیں جیسے ایک ہی خاندان کے افراد گھر میں مل کر بیٹھے ہوں۔ بسا اوقات نووارد کو دھوکا لگ جاتا کہ حضرت اقدس کون ہیں[۱]۔ یہی کیفیت آپ کے مطاع اور آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کی تھی کہ بعض اوقات آنے والا آپ کو جان نہ سکتا[۲]۔
لیکن اس بے تکلفی کے باوجود کسی قسم کی بے ادبی پیدا نہ ہوتی تھی۔ ہر شخص کا دل محبت، ادب اور احترام کے انتہائی جذبات سے معمور رہتا تھا۔ آپ بات کرتے تو مجلس میں سکوت طاری ہو جاتا۔ آپ خاموش ہوتے تو بھی مجلس پر وقار ہوتی۔ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر دل کے سارے غم دھل جاتے اور کلفت دُور ہو جاتی۔ آپ چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی بات بھی توجہ سے سنتے تھے اور بڑی محبت سے جواب دیتے

۱۔ سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۱ ۔ ۲۔ ترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی کراھیۃ ان یقول علیک السلام مبتدئاً۔

تھے۔ مسجد میں تشریف لاتے تو نماز کے بعد عشاق آپ کے گرد بیٹھ جاتے کبھی تعلیم و تربیت پر مشتمل درس جاری ہو جاتا اور کبھی کوئی شخص مجلس میں سے دینی سوال کرتا اور لبِ مبارک وَا ہوتے اور علوم و معرفت کے چشمے اُبل پڑتے۔ کبھی بیعت کرنے والوں کو نصیحت فرماتے۔ تو کبھی اپنے تازہ الہامات سے احباب کے ایمان کو جلا بخشتے۔ کبھی اپنی تصنیف کے مضمون کا ذکر فرماتے۔ احباب اپنے مسائل عرض کر کے دُعا کے لئے کہتے۔ اپنی بپتا سُناتے حضور مادرِ مہربان کی طرح سب کی سُنتے اور کسی سے یہ نہ کہتے کہ اب بس کرو۔

عشقِ الٰہی

مذہب کا نکتہ مرکزیہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کون و مکان کا وہی خالق ہے۔ اور ہم اپنے اعمال کے لئے اس کے سامنے جواب دِہ ہیں۔ اس لئے ہماری تمام محبت و خشیت کا مرکز اس کی ذات احدیت ہے۔ وہ ہر چیز پہ قادر ہے۔ اس کی قدرتوں کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اُسے کسی سہارے کی احتیاج نہیں۔ اس کی ذات اور صفات میں شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس کی معرفت رکھنے والے ہی صحیح رنگ میں اس کی خشیت رکھتے ہیں اور اس کی محبت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ اس کے پیارے اس کی صفات کا مظہر ہوتے ہیں۔ انبیاء کی بعثت کی ایک غرض اس کی توحید کا قیام اور اس کی صفات کا اظہار ہوتا ہے۔ جس دل میں اس کی محبت نہیں وہ خالی گھر کی طرح ہے۔ اور نہایت بابرکت ہے وہ دل جو اس کی محبت سے لبریز ہے۔ خدا کے پیارے فلاسفر کی طرح کائنات

کی تخلیق و تدبیر سے اس پر استدلال نہیں کرتے۔ وہ تو اس کو پا کر اس کی ذات کُنہ۔ صفات اور اس کے حسن و جمال کی خبر دیتے ہیں۔ سیدنا حضرت بانیٔ سلسلہ اپنی کتاب کشتی نوح میں اُس ذات احدیت کے بارہ میں فرماتے ہیں:۔

"ہم نے اسے دیکھ لیا کہ وہی خدا ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔ کیا ہی قادر و قیوم خدا ہے جس کو ہم نے پایا۔ کیا ہی زبردست قدرتوں کا مالک ہے۔ جس کو ہم نے دیکھا .... کیا بدبخت وہ انسان ہے۔ جس کو اَب تک یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے۔ جو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا۔ اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو اس چشمہ کی طرف دوڑو۔ کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں۔ اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دف سے بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے۔ تا لوگ سن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔" [۱]

اپنی کتاب اربعین [۱] میں فرماتے ہیں:۔

"مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے۔ اور مجھے خوش قسمتی

---

[۱] کشتی نوح صفحہ ۳۰، ۳۱ کتابی سائز

سے ایک چمکتا ہُوا اور بے بہا ہیرا اس کان سے ملا ہے.... وہ ہیرا کیا ہے سچا خدا اور اس کو حاصل کرنا یہ ہے کہ اس کو پہچاننا اور سچا ایمان اس پہ لانا۔ اور سچی محبت کے ساتھ اس سے تعلق پیدا کرنا اور سچی برکات اس سے پانا"

انسان کو جس سے محبت ہو اُسے ہر طرف وہی نظر آتا ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ عشقِ خدا رکھنے والے انسان کو اس عالم کون و مکان کے ہر ذرّہ اور ہر پتہ میں اس کی تخلیق اور حسن کا جلوہ محسوس ہوتا ہے حضرت بانی سلسلہ فرماتے ہیں:-

کس قدر ظاہر ہے نُور اس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا

ہے عجب جلوہ تیری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی راہ ہے ترے دیدار کا

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشہ ہے تری چمکار کا

تُو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
اس سے ہے شورِ محبت عاشقانِ زار کا

کیا عجب تو نے ہر اک ذرّہ میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا

خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حُسن کی
ہر گُل و گلشن میں ہے رنگ اس تری گلزار کا
چشم مست ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا
آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب
ورنہ قبلہ تھا ترا رُخ کافر و دیندار کا
ہیں تیری پیاری نگاہیں دلبرا اک تیغِ تیز
جس سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا
ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا

اپنے ایک فارسی شعر میں فرماتے ہیں :- ؎

در دو عالم مرا عزیز توئی ۔۔ وآنچہ میخواہم از تو نیز توئی
(براہین احمدیہ حصہ اوّل)

کہ دونوں جہانوں میں میرا تو ہی محبوب ہے اور مَیں تجھ سے یہی چاہتا ہوں کہ مجھے تُو مل جائے۔

خدا کے پیاروں کو ہر شے میں اس کی تخلیق و قدرت نظر آتی ہے۔ ہر وصف اور حُسن اسی کا عطا کردہ ہے۔ ذاتی حُسن تو صرف اس ذاتِ احدیت کا ہے۔ اور اس کے پیاروں کو جہاں کوئی خوبی نظر آتی ہے۔ اُن کی نظر اس حُسن عطا کرنے والے پر جا ٹکتی ہے۔

حاجی عبدالمجید صاحب لدھیانوی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور لدھیانہ میں تھے۔ میرے مکان میں ایک نیم کا درخت تھا۔ چونکہ برسات کا موسم تھا۔ اس کے پتے بڑے خوش نما طور پر سبز تھے۔ حضور نے مجھے فرمایا۔ حاجی صاحب۔ اس درخت کے پتوں کی طرف دیکھئے کیسے خوش نما ہیں۔ حاجی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت دیکھا کہ آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں [1]

کیا خوب فرمایا شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ∴ ہر ورقش دفتریست معرفت کردگار

کہ بیدار اور زیرک آنکھ کی نظر میں سبز درختوں کے پتوں کا ہر ورق خدا کی معرفت کے دفتر کا ایک ورق ہے۔

محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ محبوب کی خاطر اگر کوئی تکلیف آجائے تو اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔ بلکہ یہ سمجھے کہ محبوب کی خاطر کوئی تکلیف تکلیف نہیں راحت ہے۔ حضرت مولانا سرور شاہ صاحب روایت کرتے ہیں کہ جن دنوں کرم دین صاحب کا مقدمہ گورداسپور میں چندو لال یا آتما رام مجسٹریٹ کی عدالت میں زیر سماعت تھا۔ حضرت اقدس گورداسپور میں تشریف فرما تھے کہ کسی نے آپ کو بتلایا کہ آریوں نے چندو لعل مجسٹریٹ کو اکسایا کہ یہ شخص لیکھرام کا قاتل ہے۔ اور ہمارا دشمن ہے۔ اب یہ آپ کے ہاتھ میں شکار ہے۔ اور ساری قوم کی آپ کی طرف نظر ہے۔ اگر آپ نے اس شکار کو ہاتھ سے جانے دیا تو آپ قوم کے دشمن ہوں گے۔ مجسٹریٹ نے کہا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ اس مقدمہ میں جتنے بھی گواہ ہیں

---

[1] سیرت المہدی حصہ اوّل صفحہ ۱۹۶

سب کو جہنم میں پہنچا دوں۔ مگر کیا کیا جائے مقدمہ ایسی ہوشیاری سے چلایا جا رہا ہے کہ ہاتھ ڈالنے کی کہیں جگہ نہیں ملتی۔ بہرحال میں وعدہ کرتا ہوں کہ پہلی ہی پیشی میں ہی عدالتی کارروائی کر دونگا۔ کچہری کے منشی محمد حسین نے یہ تمام واقعہ ڈاکٹر محمد اسماعیل خان کو بتلا دیا۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں جب یہ واقعہ عرض کیا تو حضور لیٹے ہوئے تھے۔ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ جلال سے چہرہ سُرخ ہو گیا آنکھیں چمک اٹھیں اور فرمایا۔ میں اس کا شکار ہوں۔ میں شکار نہیں ہوں۔ میں شیر ہوں اور شیر بھی خدا کا شیر۔ وہ بھلا خدا کے شیر پر ہاتھ ڈال سکتا ہے۔ پھر فرمایا:۔

"میں کیا کروں میں نے تو خدا کے سامنے پیش کیا ہے کہ میں تیرے دین کی خاطر اپنے ہاتھ اور پاؤں میں لوہا پہننے کے لئے تیار ہوں۔ مگر وہ کہتا ہے کہ نہیں میں تجھے ذلت سے بچاؤں گا اور عزت کے ساتھ بری کروں گا۔"

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

"والدین اپنے بچوں کو سونے چاندی کے زیور پہناتے ہیں۔ اگر میرا خدا مجھے لوہے کی کڑیاں پہنائے گا تو میں خوشی سے پہنوں گا۔"[1]

آپ کا ایک بچہ مبارک احمد بہت خوش شکل اور ذہین تھا۔ آپ کو اس سے بہت پیار تھا۔ وہ نویں سال میں ہی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ وہ بیمار ہوا تو آپ نے اس کی تیمارداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کا خیال تھا اگر خدانخواستہ یہ فوت ہو گیا تو حضرت کو بڑی تکلیف ہو گی

---

[1] سیرت المہدی حصہ اوّل ص۹۳ ر ۹۷

لیکن جب وہ فوت ہو گیا تو حضور نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جب آپ دفن کرنے کیلئے تشریف لے گئے۔ تو قبر تیار ہو رہی تھی۔ حضور قبر سے کچھ فاصلہ پر باغ میں بیٹھ گئے۔ آپ کے گرد پروانے جمع تھے۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کو مخاطب ہو کر فرمایا:۔

مولوی صاحب ایسے خوشی کے دن بھی انسان کو بہت کم میسر ہوتے ہیں فرمایا:" جب قضاء و قدر کے قانون کی چوٹ بندے کو آکر لگتی ہے اور وہ اس کو خدا کے لئے برداشت کرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے اور خدا کی قضاء پر راضی ہوتا ہے تو پھر وہ اس ایک آن میں اتنی ترقی کر جاتا ہے۔ جتنی کہ چالیس سال کے نماز روزے سے بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پس مومن کے لئے ایسے دن درحقیقت ایک لحاظ سے بڑی خوشی کے دن ہیں۔"[1]

ایک موقعہ پر اپنے دلی جذبات کا اظہار یوں فرمایا۔ یہی شعر اس ہونہار بچے کی لوح مبارک پر درج کروائے۔

جگر کا ٹکڑا مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خو تھا
وہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر
برس تھے آٹھ اور کچھ مہینے کہ جب خدا نے اسے بلایا
بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

سچ ہے خدا کی رضا پر راضی ہونا اس کے محبوب بندوں کا ہی شیوہ ہے۔ کہ سب پیاروں سے بڑا وہ پیارا ہے۔ اس کے انعامات اور احسانات کا کوئی شمار

---

[1] سیرت المہدی حصہ اوّل ص۱۷۷

نہیں۔ جب وہ بطور امتحان اپنے بندے کی کوئی محبوب چیز لے تو اس امتحان میں وہ کامیاب ہی رہتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔[1]

وہ بندے جو خدا کی طرف سے آنے والے امتحان اور آزمائش میں پورے اُترتے ہیں۔ ان پر اللہ کی رحمتیں اور فضل نازل ہوتے ہیں۔ اور یہی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں ــــــ یہ اس راہ کے سالک ہیں جن پر قدم مارنے والا اپنی منزل پر ضرور پہنچتا ہے۔

محبت اور عشق کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ محبّ محبوب کے حق میں بُرا نہیں سُن سکتا۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضور کے ایک مخلص مرید چوہدری رستم علی صاحب ریلوے کے محکمہ میں انسپکٹر تھے وہ ایک سو پچاس روپے ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔ وہ بیس روپے ماہوار اپنے پاس رکھ لیتے، باقی ساری تنخواہ ہمیشہ حضور کو بھجوا دیتے۔ ان کا صرف ایک لڑکا تھا۔ وہ بیمار ہُوا۔ اُن کی اہلیہ انہیں قادیان لے آئی۔ ایک روز حضور نے فرمایا مَیں نے رؤیا دیکھی ہے کہ کوئی میرے خدا کو گالیاں دیتا ہے۔ مجھے اس کا بڑا صدمہ ہُوا۔ اللہ کی تقدیر تھی اگلے روز چوہدری رستم علی صاحب کا اکلوتا لڑکا فوت ہو گیا۔ لڑکے کی والدہ نے بہت جزع وفزع کی اور اس کے مُنہ سے یہ کلمہ نکلا۔ ارے ظالم تو نے مجھ پر بڑا ظلم کیا۔ وہ یہ الفاظ دہراتی رہی۔ حضرت صاحب نے بھی یہ الفاظ سُن لئے۔ آپ

---

[1] البقرہ آیت ۱۵۸

باہر تشریف لائے اور بڑے جوش سے فرمایا۔ اسی وقت یہ عورت اوران کے خاوند میرے گھر سے نکل جائیں۔ ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کی والدہ بہت زیرک اور فہمیدہ تھیں۔ انہوں نے اس عورت کو سمجھایا۔ اور کہا حضور سخت ناراض ہیں۔ توبہ کرو۔ اور معافی مانگو۔ چنانچہ اس عورت نے کہا میں اب رونے کی نہیں۔ چنانچہ میر صاحب کی والدہ نے حضرت صاحب سے آکر اس کا ذکر کیا۔ اور کہا اب وہ عورت معافی مانگتی ہے اور توبہ کرتی ہے۔ اور اس نے رونا بھی بند کر دیا ہے۔ حضور نے فرمایا اچھا اسے رہنے دو اور تجہیز و تکفین کا انتظام کرو۔[1]

اس واقعہ پر غور کیجیئے۔ چوہدری رستم علی صاحب کی مالی قربانی دیکھئے۔ لیکن خدا کی طرف بیوی نے ظلم منسوب کیا تو عشق الٰہی میں سرشار اور خدا کی محبت میں گداز برداشت نہ کر سکے۔ لیکن جب توبہ کی تو پھر وہی شفقت عود کر آئی اور فرمایا اچھا اس کے کفن دفن کا انتظام کرو۔ خدا کے نام کی غیرت کا کرشمہ بھی دیکھئے اور شفقت بھی ملاحظہ فرمایئے۔ دوستی بھی خدا کے لئے ہے اور اگر محبت مفقود ہوتی ہے تو بھی اس کے لئے۔ سچا فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَاَنْتَھٰی لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَان کہ جس نے محبت کی تو خدا کے لئے اور اگر ناپسند کیا تو خدا کے لئے۔ اگر دیا تو خدا کے لئے۔ اگر نہیں دیا تو بھی خدا کے لئے۔ یقیناً ایسا کرنے والے نے اپنے ایمان کو کامل کرنا چاہا۔ خدا کے پیارے تو اس کے ہو جاتے ہیں۔ ان کی اپنی ذاتی خواہش کیا باقی رہ جاتی ہے۔ سچ ہے خدا کی حقیقی محبت باقی سب محبتوں کو مٹا ڈالتی ہے۔ العشق نارٌ

---

[1] سیرت ظفر ص۱۱۸ و ۱۱۹

یحرق ما سوی اللہ۔ عشق الٰہی کی آگ سوائے خدا کے سب کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔ مبارک وہ دل جس میں اس کی چنگاری سُلگی۔ آیئے محبوبِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہمنوا ہو کر یہ دُعا مانگیں۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّکَ وَحُبَّ مَا یُقَرِّبُنِیْ اِلَیْکَ وَ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدْ۔

اے اللہ اپنی محبّت مجھے عطا فرما اور اس کی محبّت جس نے تجھ سے محبّت کی اور اس کی محبت جو مجھے تیرا قرب بخش دے۔ اے محبوب اپنی محبّت مجھے ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب کر دے

عشق و محبت کرنے والے کی زبان پر ہر آن اپنے محبوب کا نام ہوتا ہے۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے والدہ محترمہ نے فرمایا کہ حضور بڑی کثرت سے سبحان اللہ و بحمدہ

سبحان اللہ العظیم کا ورد کرتے تھے۔ حتّٰی کہ رات کو بستر پر کروٹ بدلتے ہوئے بھی آپ کی زبان پر یہی کلمات ہوتے تھے۔ خود حضرت میاں صاحب لکھتے ہیں کہ حضور بڑی کثرت سے سبحان اللہ پڑھتے تھے۔ آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر اس سکون سے یہ ورد فرماتے تھے کہ گویا صفات باری تعالیٰ پر بھی ساتھ ساتھ غور کرتے جاتے ہیں[1]

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مومن کی شان تو یہ ہونی چاہیئے کہ دست با کار دل

---

[1] سیرت المہدی حصّہ اوّل صـ۲

بایار۔ مزید تفصیل عبادت کے عنوان کے تحت مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کا اندازہ انسان کی مناجات سے ہوتا ہے۔ خدا کے پیار کے عجیب مظاہر ہوتے ہیں۔ دِل کی محبت اور تعلق کبھی آنکھوں سے آنسو بن کر بہتا ہے تو کبھی وہ الفاظ کا جامہ پہن کر زبان پہ جاری ہوتی ہے۔

مسنون دعاؤں، عربی نظم اور فارسی نظم کے علاوہ اپنی زبان میں خدائے واحد سے جن الفاظ میں اس مُحِبِّ احدیت نے پکارا اس کے ایک دو نمونے درج ذیل ہیں:۔

۱۳۰۳ھ میں جب پیر منشی احمد جان صاحب حج بیت اللہ کے لئے گئے تو حضور نے انہیں لکھا کہ جب آپ کو بیت اللہ کی زیارت کا شرف نصیب ہو تو اس مقام مبارک پہ اس احقر العباد کی طرف سے ان ہی لفظوں سے مسکنت اور غربت کے ہاتھ بحضور دل اٹھا کر میری طرف سے یہ گذارش کریں۔ اس تحریر میں جہاں نقطے ہیں۔ خط کے وہ حصّے بوجہ بوسیدہ ہونے کے پڑھے نہیں جا سکے لیکن ذرا غور و فکر سے ان الفاظ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

"اے ارحم الراحمین۔ ایک تیرا بندہ عاجز و ناکارہ پُر خطا اور نالائق غلام احمد جو تیری زمین مُلک ہند میں ہے۔ اس کی یہ عرض ہے کہ اے ارحم الراحمین تو مجھ سے راضی ... ہو اور میری خطیاٗت اور گناہوں کو بخش کہ تو غفور اور رحیم ہے اور مجھ سے وہ کرا جس سے تو بہت ہی راضی ہو جائے۔ مجھ میں اور میرے نفس میں مشرق اور مغرب کی دُوری ڈال۔ اور میری زندگی اور موت اور میری

ہر ایک قوت جو مجھے حاصل ہے۔ اپنی ہی راہ میں کر۔ اور اپنی ہی محبت میں مجھے زندہ رکھ اور اپنی ہی محبت میں مجھے مار۔ اور اپنے ہی کامل محبین میں اُٹھا۔ اَے ارحم الراحمین جس کام کی اشاعت کے لئے تو نے مجھے مامور کیا ہے اور جس خدمت کیلئے تو نے میرے دل میں جوش ڈالا ہے اس کو اپنے ہی فضل سے انجام تک .... اور عاجز کے ہاتھ سے حجت اسلام مخالفین اور ان سب پر جو اسلام کی خوبیوں سے بے خبر ہیں پوری کر اور اس عاجز اور .... اور مخلصوں اور ہم مشربوں کو مغفرت اور مہربانی کے ...... حمایت میں رکھ۔ دین و دنیا میں ان کا متکفل .... اور سب کو اپنے دارالرضا میں پہنچا۔ اور اپنے ..... اور اس کے آل و اصحاب پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام و برکات نازل کر۔ آمین یا ربّ العالمین"۔

خط کے آخر میں آپ نے فرمایا:۔

"یہ دُعا ہے جس کے لئے آپ پر فرض ہے کہ ان ہی الفاظ سے بلا تبدل و تغیر بیت اللہ حضرت ارحم الراحمین میں اس عاجز کی طرف سے کریں"۔ (تذکرہ صـ۱۳۲)

ایک دوسرے موقعہ پر اپنے خدا سے ان الفاظ میں مخاطب ہیں:۔

"دیکھ میری رُوح نہایت توکل کے ساتھ تیری طرف ایسی پرواز کر رہی ہے جیسا کہ ایک پرندہ اپنے آشیانہ کی طرف آتا ہے۔ سو میں

تیری قدرت کے نشان کا خواہش مند ہوں لیکن نہ اپنے لئے اور نہ اپنی ذات کے لئے بلکہ اس لئے کہ لوگ تجھے پہچانیں اور تیری پاک راہوں کو اختیار کریں۔"[1] (ضمیمہ تریاق القلوب ص ۱۵ روحانی خزائن)

اپنی پہلی کتاب براہین احمدیہ میں ایک فارسی نظم میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

ذات پاکت بس است یار یکے ٭ دل یکے، جاں یکے، نگار یکے

تیری ذات پاک ہمارے لئے دوست کافی ہے ۔ دل بھی ایک ہے ۔ جان بھی ایک ہے ۔ محبوب بھی ایک ہی ہونا چاہیئے کہ اس کی محبت میں کسی کو شریک نہیں کیا جا سکتا ۔

پاک ہے وہ دل جو اس کی محبت میں گداز ہو ۔ اور مبارک وہ ذات جسے اس ذاتِ احدیت کا عشق حاصل ہو کہ اس کی محبت ہی مقصودِ حیات ہے ۔

عبادت

خدا کا قُرب تب نصیب ہوتا ہے ۔ جب انسان اس کا عبد بن جائے ۔ اور عبد بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی تمام خواہشات خدا کی خواہشات کے تابع ہو جائیں ۔ اس کی حرکات و سکنات ، اٹھنا بیٹھنا ، سونا اور جاگنا سب کچھ خدا کے لئے ہو جائے ۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے ۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ[2] کہ میری نماز اور میری عبادت

---

[1] ضمیمہ تریاق القلوب ص ۱۵ روحانی خزائن ۔ [2] الانعام آیت : ۱۶۳

میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہے جو کہ رب العٰلمین ہے۔ حبیبِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ"[1] کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ ایک دوسرا ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ قیامت کے دن وہ شخص بھی خدا کے سایہ میں ہو گا جس کا دل مسجد سے اٹکا ہوا ہے۔[2]

حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ ان ارشادات رسولؐ کے مصداق تھے۔ ابتدائی زندگی سے ہی آپ نماز کے پابند تھے۔ مسجد اور نماز کے التزام کی بناء پہ ہی آپ کے والد محترم آپ کو مسیتڑ کہا کرتے تھے۔[3] مسیتڑ پنجابی میں اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنا زیادہ وقت مسجد میں گذارے۔ اگر کوئی آپ کے والد صاحب سے آپ کے متعلق پوچھتا کہ مرزا صاحب کہاں ہیں تو آپ جواب دیتے اُسے مسجد میں تلاش کریں۔

مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر اخبار زمیندار کے والد مکرم سراج دین صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

> "۱۸۷۷ء میں ہمیں ایک شب قادیان میں آپ کے ہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی۔ ان دنوں میں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر مستغرق تھے کہ مہمانوں سے بھی بہت کم گفتگو کرتے تھے"[4]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۲۸۔ [2] بخاری کتاب الاذان باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ۔ [3] سلسلہ احمدیہ ص ۲۰۲ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ [4] اصحاب احمد جلد اوّل ص ۳۲ از عرفانی صاحب۔

نماز باجماعت کا آپ کو اتنا اہتمام تھا کہ اوائل زندگی میں قادیان کے رہنے والے ایک غریب نابینا معین الدین عرف حافظ معنا کو اپنے گھر رکھ لیا اور اس کے اخراجات کے خود متکفل ہو گئے کہ نماز باجماعت ادا کیا کریں گے[1]۔ نماز آپ خشوع وخضوع سے ادا فرماتے اور تعدیل ارکان کے ساتھ۔ نماز میں سوز وگداز کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کے ایک مخلص مرید۔ حدیث کے ممتاز عالم مکرم قاضی امیر حسین صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مولانا نورالدین کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔

"میں مغرب کی نماز میں حاضر ہُوا تو دیکھا نماز خود حضور پڑھا رہے ہیں۔ آپ نے نماز میں چھوٹی چھوٹی دو سورتیں پڑھیں مگر سوز وگداز کی وجہ سے لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں"[2]

نوافل کے مواقع کی آپ کو اس طرح تلاش رہتی جیسے پیاسے کو پانی کی۔ تہجد کی نماز جو نصف شب کے بعد اُٹھ کر ادا کی جاتی ہے اس کے متعلق آپ کا دستور یہ تھا کہ باقاعدہ شروع وقت اُٹھ کر بالالتزام ادا فرماتے تھے۔ اور اس میں دُعا کے وقت بعض اوقات آپ کے سینہ کی کیفیت یہ ہوتی گویا ہنڈیا ابل رہی ہے اور سجدہ میں آپ اس طرح گریہ وزاری کرتے کہ گویا کوئی عورت دردِ زِہ میں مبتلا ہے۔ اشراق کے نوافل آپ کبھی کبھی ادا فرماتے تھے۔ سنتیں آپ عموماً گھر میں ادا فرماتے۔

---

[1] اصحاب احمد جلد ۱۳ صـ۲۸۵۔ [2] سیرت المہدی حصہ اول صـ۲۳۔
[3] سیرت طیبہ صـ۵۴ مرزا بشیر احمد صاحب۔ [4] سیرت المہدی حصہ اول صـ۳

آپ کی نماز کی پابندی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ آپ کسی مقدمہ کی پیروی کے لئے کچہری میں حاضر تھے۔ جب نماز کا وقت آ گیا تو آپ ایک درخت کے نیچے نماز ادا کرنے لگ گئے۔ نماز کے دوران عدالت سے طلبی کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ مگر آپ نماز پڑھتے رہے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ عدالت کا چپڑاسی آپ کے پاس کھڑا ہے۔ حضور نماز سے فارغ ہوئے تو اُس نے عرض کی مرزا صاحب مبارک ہو مقدمہ کا فیصلہ آپ کے حق میں ہو گیا ہے۔[۱]

نماز دین کا ستون ہے۔ حضور سے جب کوئی شخص قربِ خداوندی کے لئے کسی چلّہ یا وِرد کے لئے دریافت کرتا تو آپ اکثر تین امور کی نصیحت فرماتے۔ نماز خشوع و خضوع سے ادا کی جائے۔ درود شریف کثرت سے پڑھا جائے یا مخالفینِ اسلام کی کسی کتاب کا جواب دو۔ اپنی مشہور کتاب کشتی نوح میں جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:۔

"جو شخص پنجگانہ نماز باجماعت کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔"[۲]

آپ نے انبیاء اور صلحاء کی سنّت کے مطابق ایک لمبا عرصہ تک روزے رکھے۔ یہ عرصہ چھ ماہ سے نو ماہ کا تھا جس کے نتیجہ میں آپ پر انوارِ سماوی کا نزول ہوا۔[۳]

ایک بار عقدہ کشائی کے لئے بیعت سے قبل آپ نے گھر سے بے گھر ہو کر ہوشیار پور جا کر ایک دوست کے بالاخانہ میں چالیس روز تک سب سے الگ تھلگ

۱؎ سیرت المہدی حصہ اوّل صفحہ ۱۵۔ ۲؎ کشتی نوح حصہ تعلیم ص ۳۳ ۳؎ تذکرہ صفحہ ۲۱ تا صفحہ ۲۳

ہو کر چلّہ کشی کی۔ اس دوران آپ نہ کسی سے بات کرتے نہ ملاقات اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبولیتِ دعا کا ایک عظیم الشان نشان پسر موعود کی صورت میں دیا[1]

آپ سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم کا ورد بہت کثرت سے کرتے۔ خلوت کی گھڑیوں میں بھی اور جلوت میں بھی آپ بہت آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر سکون اور اطمینان اور نرمی کے ساتھ ان الفاظ کو اس طرح دہراتے تھے کہ گویا ساتھ ساتھ باری تعالیٰ کی صفات پر بھی غور فرماتے جاتے ہیں[2]

رکوع اور سجود میں آپ یا حیّ یا قیوم برحمتک نستغیث کا فقرہ کثرت سے دہراتے[3] جب کسی مجبوری سے مغرب کی نماز گھر میں ادا فرماتے تو اس میں اکثر یہ آیت تلاوت فرماتے اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔

آپ عام طور پر ہر وقت باوضو رہتے تھے[4]۔ احادیث میں آیا ہے کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو ہر جگہ اپنے ساتھ دیکھا۔ صبح بلالؓ سے دریافت کیا تم کونسا نیک عمل کرتے ہو جس کی یہ جزا ہے۔ تو بلالؓ نے بڑی انکساری سے جواب دیا۔ اور تو کوئی نیکی یاد نہیں۔ ہر وقت باوضو رہنے کی کوشش کرتا ہوں[5]

---

[1] سیرت المہدی حصہ اول ص ۶۹۔ [2] سیرت المہدی حصہ اول ص ۲ و حصہ دوم ص ۱۲۴۔ [3] سیرت المہدی حصہ دوم ص ۱۳۔ [4] سیرت المہدی حصہ اول ص ۳۔ [5] مسلم کتاب الفضل باب من فضائل بلالؓ۔

دُعا

نماز کا مغز دُعا ہے۔ حضور نماز میں علاوہ مسنون دُعاؤں کے اپنی زبان میں بھی دُعاؤں کی تاکید فرماتے۔ دُعا، اس کے آداب اور قبولیت کے بارہ میں حضور نے اپنی کتب میں بہت کچھ فرمایا۔ جب سر سیّد بانیٔ مدرسہ علی گڑھ نے دُعا کی قبولیت سے انکار کیا تو حضور نے "برکات الدعا" کتاب لکھی۔ اس میں سر سیّد کو مخاطب ہو کر فرمایا۔

ایکہ گوئی گر دعا ہا را اثر بودے کجا است
سوئے من بشتاب بنمائم ترا چوں آفتاب

کہ اے شخص تو کہتا ہے دُعا کا اثر کہاں ہے۔ میری طرف چلا آ
مَیں تجھے دُعا کی تاثیر آفتاب کی مانند آشکار دکھاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبولیتِ دُعا کا اعجاز عطا فرمایا تھا جس کا ذکر آپ نے اپنی متعدد کتب میں فرمایا۔ آپ کی دُعاؤں سے لاعلاج مریض اچھے ہوئے محالات اور ناممکنات آپ کی دعاؤں سے معرض وجود میں آئے۔ آپ کی دُعا سے بے اولاد افراد نے اولاد پائی۔ بگڑے ہوئے کاروبار آپ کی دعاؤں سے ٹھیک ہوئے۔ آپ کی دُعا سے لوگوں کو مقدمات میں کامیابی نصیب ہوئی۔

آپ فرماتے ہیں:۔

"جو بات ہماری سمجھ میں نہ آوے یا کوئی مشکل پیش آوے تو

ہمارا طریق یہ ہے کہ ہم تمام فکر کو چھوڑ کر صرف دُعا میں اور تضرع میں مصروف ہو جاتے ہیں تب وہ بات حل ہو جاتی ہے[۱]

دُعا پر آپ کے ایمان کا اس الہامی شعر سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے آپ فرماتے ہیں :۔

دلم بلرزد چوں یاد آوردم ٭ مناجات شوریدہ اندر حرم

کہ جب مجھے یہ یاد آتا ہے کہ حرم کے اندر ایک شوریدہ خدا سے مناجات کر رہا ہے تو میرا دل لرز جاتا ہے۔

جب بھی کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا. کوئی مشکل ہوتی تو آپ خدا کی طرف رجوع فرماتے اور دعا فرماتے۔ دُعا کے لئے کبھی باہر جنگل میں جا کر بھی دُعا فرماتے۔ آبادی سے الگ مسجد میں جا کر بھی آپ دُعا فرماتے۔ اور بزرگوں کے مزار پر جا کر بھی آپ خدا سے دُعا فرماتے۔ دُعا پر آپ کو اس قدر یقین تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ اسلام کو جو فتوحات اور کامیابیاں آغاز میں نصیب ہوئیں وہ بھی دُعا کا ہی نتیجہ تھا اور اب بھی جو کچھ ہوگا وہ دُعا ہی کے نتیجہ میں ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں :۔

”جس قدر ہزارہا معجزات انبیاء سے ظہور میں آئے ہیں. یا جو کچھ کہ اولیاء ان دنوں تک عجائبات و کرامات دکھلاتے رہے۔ اس کا اصل اور منبع یہی دُعا ہے۔ اور اکثر دعاؤں کے اثر سے ہی طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشا دکھلا رہے ہیں. وہ جو

---

[۱] ذکر حبیب صفحہ ۲۸۹ از مفتی محمد صادق صاحب۔

عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہوگئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے۔ اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوگئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے۔ اور دُنیا میں یکدفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا۔ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں ہی تھیں۔ جنہوں نے دُنیا میں شور مچادیا اور عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اُس اُمّی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں"۔[۵۵]

آپ کا یہ یقین تھا کہ اب اسلام کی نشاۃ ثانیہ بھی دعاؤں سے ہی ہوگی۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"ہم نے سوچا کہ عمر کا اعتبار نہیں ہے۔ ستّر سال کے قریب عمر سے گذر چکے ہیں۔ موت کا وقت مقرر ہے۔ خدا جانے کس وقت آجاوے۔ اور کام ہمارا ابھی بہت باقی پڑا ہے۔ ادھر قلم کی طاقت کمزور ثابت ہوئی ہے۔ رہی سیف اس کے واسطے خدا تعالیٰ کا اذن اور منشا نہیں ہے۔ لہٰذا ہم نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور اسی سے قوّت پانے کے واسطے ایک الگ حجرہ بنایا اور خدا سے دُعا کی کہ اس مسجد البیت اور بیت الدعا کو امن اور سلامتی اور اعداء پر

---

[۵۵] برکات الدعا صلا۔

بذریعہ دلائل نیّرہ اور براہین ساطعہ کے فتح کا گھر بنا"۔[1]

ایک پٹواری مسمّی منشی عطا محمد صاحب خود بیان کرتے ہیں کہ مَیں دین سے بالکل غافل اور بے بہرہ تھا بلکہ دین کی باتوں پر ہنسی اُڑایا کرتا تھا۔ شراب پیتا تھا۔ رشوت بھی لیتا تھا۔ جب اس کے حلقہ کے احباب اسے تبلیغ کرتے تو میں انہیں مذاق کیا کرتا تھا۔ آخر ایک روز جب احمدی دوستوں نے تبلیغ کے ذریعہ اُسے بہت تنگ کیا تو مَیں نے کہا۔ مَیں تمہارے مرزا کو خط لکھ کر ایک بات کے متعلق دُعا کراتا ہوں اگر میرا وہ کام ہوگیا تو مَیں سمجھوں گا کہ وہ سچے ہیں۔ چنانچہ مَیں نے حضرت صاحب کی خدمت میں خط لکھا کہ آپ (حضرت اقدس) اور ولی اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور ولیوں کی دُعائیں قبول ہُوا کرتی ہیں۔ میری اس وقت تین بیویاں ہیں اور میری شادی پر بارہ سال گذر چکے ہیں۔ ان تینوں میں سے کوئی اولاد نہیں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ میرے گھر خوبصورت اور صاحبِ اقبال لڑکا پیدا ہو۔ اور پیدا بھی اس کے بطن سے ہو جس سے مَیں چاہتا ہوں۔ یعنی میری بڑی بیوی کے بطن سے۔

جب یہ خط حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے جواب میں لکھا:۔

"آپ کے لئے دُعا کی گئی۔ خدا تعالیٰ آپ کو خوبصورت اور صاحبِ اقبال لڑکا عطا کرے گا۔ اور اُس بیوی سے عطا کرے گا جس سے آپ کو خواہش ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ آپ زکریّا والی توبہ کریں۔"

منشی عطا محمد صاحب کہتے ہیں کہ مَیں چونکہ دین سے بے بہرہ تھا۔ مَیں نہ جانتا تھا کہ زکریا والی توبہ کیا ہوتی ہے۔ مَیں نے اپنے حلقہ کے ایک احمدی سے پوچھا زکریا

[1] ذکرِ حبیب صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰ از مفتی محمد صادق صاحب۔

والی توبہ سے کیا مراد ہے۔ تو انہوں نے کہا یہی کہ بے دینی چھوڑ دو، حلال کھاؤ نماز روزہ کے پابند ہو جاؤ۔ مسجد میں زیادہ آیا جایا کرو۔ چنانچہ میں نے اس پر عمل شروع کر دیا۔ لوگوں نے میری اس حالت کو دیکھا تو کہنے لگے اس شیطان پر کس نے جادو کر دیا کہ یک لخت تمام بدیوں سے توبہ کر لی۔

ابھی چار پانچ دن نہ گذرے تھے کہ میں ایک روز گھر گیا تو بڑی بیوی رو رہی تھی۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ پہلے صرف یہ مصیبت تھی کہ میرے پر دو بیویاں آپ نے کی تھیں اب دوسری مصیبت یہ ہو گئی کہ میرے ایام بھی بند ہو گئے۔ اور اولاد کی کوئی اُمید ہی نہیں رہی۔ چنانچہ علاج کی غرض سے دائی کو بلوایا گیا۔ اُس نے میری بیوی کو دیکھا تو کہنے لگی میں تو تجھے ہاتھ نہیں لگاتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا بھول گیا ہے اور تیرے پیٹ میں بچہ ہے۔ چنانچہ جوں جوں دن گذرتے گئے آثار حمل ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ اب میں نے خود لوگوں کو کہنا شروع کیا۔ دیکھ لینا میرے گھر خوبصورت صاحبِ اقبال لڑکا پیدا ہو گا۔ آخر وہ ساعتِ سعد آئی۔ میرے گھر خوبصورت لڑکا پیدا ہُوا۔ میں اسی وقت حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں بھاگا بھاگا پہنچا۔ اور بیعت کر لی۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے یہ لڑکا بڑا ہو کر ایگزیکٹو انجنیئر کے عہدہ پر پہنچا۔ اس کا نام شیخ عبد الحق تھا اور دینی لحاظ سے بھی یہ بہت مخلص تھے۔

دُعا کے بارہ میں آپ کے ارشادات اور تعلیم کا نتیجہ ہے کہ جماعت احمدیہ کا ہر فرد دُعا پر پختہ یقین رکھتا ہے آپ نے فرمایا پہلے جو کچھ ہُوا دُعا سے ہُوا۔

آئندہ بھی جو کچھ ہوگا دُعا سے ہوگا۔

آپ فرمایا کرتے تھے میں التزاماً چند دُعائیں ہر روز مانگتا ہوں۔

"اوّل اپنے نفس کے لئے یہ دُعا مانگتا ہوں کہ خدا مجھ سے وہ کام لے جس سے اس کی عزت و جلال ظاہر ہو۔ اور اپنی رضا کی پوری توفیق عطا کرے۔ پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لئے مانگتا ہوں کہ ان سے قرۃ عین عطا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ پر چلیں۔ پھر اپنے بچوں کیلئے دُعا مانگتا ہوں کہ یہ سب دین کے خدام بنیں۔ پھر اپنے مخلص دوستوں کے لئے نام بنام۔ اور پھر ان سب کے لئے جو اس سلسلہ سے وابستہ ہیں خواہ ہم انہیں جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔" ؎۱

ان دُعاؤں کا نتیجہ اور اُن پر محکم یقین تھا کہ جب لاہور میں آپ کا وصال ہُوا اور آخری روپیہ جو آپ کی جیب میں تھا اس شام آپ خرچ کر چکے تھے تو حضرت امّاں جان نے اپنے بیٹوں کو مخاطب ہو کر کہا!:۔

"بچو! گھر خالی دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ابّا تمہارے لئے کچھ نہیں چھوڑ گئے۔ انہوں نے آسمان پر تمہارے لئے دُعاؤں کا بڑا بھاری خزانہ چھوڑا ہے جو تمہیں وقت پر ملتا رہے گا۔" ؎۲

آپ نے اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

"جب تو دُعا کے لئے کھڑا ہو تو تجھے لازم ہے کہ یہ یقین رکھے کہ

؎۱ سیرت حضرت اقدس از مولانا عبدالکریم صاحب ؓ صفحہ ۳۶،۳۷۔ ؎۲ درِ مکنون صفحہ ۹۰

تیرا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ تب تیری دُعا منظور ہوگی اور تو خدا کی قدرت کے عجائبات دیکھے گا ...... ہر ایک کام کے وقت ہر ایک مشکل کے وقت قبل اس کے جو تم کوئی تدبیر کرو اپنا دروازہ بند کر دو اور خدا کے آستانہ پر گرو کہ ہمیں یہ مشکل پیش ہے۔ اپنے فضل سے مشکل کشائی فرما؛[1]

آپ کو انشاء پردازی کا بھی اعجاز عطا ہُوا تھا اور آپ کو "سلطان القلم" کے لقب سے خدا نے نوازا تھا۔ آپ کے اس تائیدیافتہ قلم کا ہی اعجاز تھا کہ باطل کے قلعوں میں دڑاڑیں پڑ گئیں۔ ان کے مضبوط ستون اور دیواریں آپ کے علمی اور قلمی حملوں کی تاب نہ لا کر زمین بوس ہوگئے۔ لیکن آپ دُعا کی تاثیر کو سب سے قوی قرار دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ بھی دُعا کے نتیجہ میں ہی ہُوا تھا اور دُعا کے نتیجہ کی اس سے بھی بڑھ کر آپ کو توقع تھی۔

آپ ہر معاملہ میں دُعا کے ذریعہ خدا سے استخارہ کرتے۔ ہر مشکل کے دُور ہونے کیلئے خدا سے دُعا کرتے۔ ہر فضل اس سے ہی طلب کرتے اور یہی اپنے صحابہ کو تاکید فرماتے۔ آپ کی تربیت اور تعلیم کا ہی نتیجہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے ہر ذی شعور فرد کی زبان پر ہر مشکل اور اہم امر کے وقت دُعا، دُعا، دُعا کے ہی الفاظ ہوتے ہیں۔

دُعا کے منکر کو ہی مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا تھا:۔ ؎

از دعا کُن چارہ آزار انکار دُعا ❊ چوں علاج مے زِمے وقت خمار والتہاب

---

[1] کشتی نوح صفحہ ۳۴ ۱۹۰۲ء کتابی سائز۔

کہ دُعا کے منکر! دُعا کے انکار کی بیماری کا علاج دُعا سے ہی کرو۔ جس طرح کہ مے خوار شراب کے بعد جسم کے اضمحلال کا علاج شراب سے کرتا ہے۔

دُعا کی اہمیت کے بارہ میں آپ فرماتے ہیں:۔

"میرا تو یہ مذہب ہے کہ جو دُعا اور اس کی قبولیت پر ایمان نہیں لاتا وہ جہنم میں جائے گا۔ وہ خدا ہی کا قائل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شناخت کا یہی طریق ہے کہ اس وقت تک دُعا کرتا رہے جب تک خدا اس کے دل میں یقین نہ بھر دے اور انا الحق کی آواز اس کو نہ آجاوے۔"

اپنی کتاب لیکچر سیالکوٹ میں فرماتے ہیں:۔

"دُعا جو معرفت کے بعد اور فضل کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے وہ اور رنگ اور کیفیت رکھتی ہے۔ وہ فنا کرنے والی چیز ہے۔ وہ گداز کرنے والی آگ ہے وہ رحمت کو کھینچنے والی ایک مقناطیسی کشش ہے وہ موت ہے۔ پر آخر کو زندہ کرتی ہے۔ وہ ایک تند سیل ہے۔ پر آخر کو کشتی بن جاتی ہے۔ ہر ایک بگڑی ہوئی بات اس سے بن جاتی ہے۔ اور ہر ایک زہر آخر اس سے تریاق ہو جاتا ہے۔ مبارک وہ قیدی جو دُعا کرتے ہیں تھکتے نہیں کیونکہ ایک دن رہائی پائیں گے۔ مبارک ہیں وہ اندھے جو دُعاؤں میں سُست نہیں ہوتے کیونکہ ایک دن دیکھنے لگیں گے۔ مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے دُعاؤں کے ساتھ

خدا کی مدد چاہتے ہیں کیونکہ ایک دن قبروں سے نکالے جائیں گے۔ مبارک تم جب کہ دُعا کرنے میں کبھی ماندہ نہیں ہوتے۔ اور تمہاری رُوح دُعا کے لئے پگھلتی اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے۔ اور تمہیں تنہائی کا ذوق اٹھانے کے لئے اندھیری کوٹھریوں اور سنسان جنگلوں میں لے جاتی ہے۔ اور تمہیں بے تاب اور دیوانہ وار از خود رفتہ بنا دیتی ہے کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جائے گا۔"

دُعاؤں سے آپ کے شغف کا یہ حال تھا کہ آپ فرماتے ہیں۔ مَیں تنہائی میں بڑی فراغت سے دعائیں کرتا ہوں اور رات کا بہت سا حصّہ بھی دعاؤں میں صرف ہوتا ہے [۱]

آپ کی خدمت میں احباب جماعت کے بھی دُعاؤں کے لئے مخطوط آتے اور بہت کثرت سے آتے۔ آپ فرماتے ہیں۔ مَیں ہاتھ سے خط نہیں رکھتا تھا مگر اُن کے لئے دُعا کرنے کے بعد۔ آپ فرماتے تھے۔ مجھے تو اپنا کوئی دشمن نظر نہیں آتا مَیں تو اپنے آقا کی سُنّت پر عمل کرتے ہوئے اس کے لئے بھی دُعا کرتا ہوں جو میرا بُرا چاہتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے تحت پنجاب میں طاعون پھیلی۔ گھروں کے گھر اس سے برباد ہو گئے۔ ایک ہی وقت میں کئی کئی جنازے اکٹھے اُٹھتے تھے تو مولوی عبدالکریم صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں نے دیکھا حضرت اقدس ایک روز اس گریہ وزاری سے تہجد میں دُعا کر رہے ہیں۔ اس رقّت اور جوش سے آپ اپنے

---

[۱] سیرت حضرت اقدس از مولوی عبدالکریم صاحب ص۴۳ حاشیہ۔

خدا کے سامنے دُعا کر رہے تھے جیسے کوئی دردِزہ میں مبتلا عورت الم کا اظہار کر رہی ہو۔ آپ مخلوقِ خدا کے لئے اپنے خدا سے عرض کر رہے تھے کہ اے آقا اگر طاعون کی تباہی کا یہی حال رہا تو تجھے کون مانے گا۔

غیر مسلم بھی آپ سے درخواست کرتے۔ آپ اُن کے لئے دُعا کرتے اور قبل از وقت انہیں بتا بھی دیتے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔[1]

۱۸۹۶ء میں جب مذاہب عالم کا جلسہ دسمبر کے آخر میں لاہور میں ہُوا۔ اور منتظمین جلسہ نے اس جلسہ میں مضمون پڑھنے کیلئے آپ سے بھی درخواست کی۔ اس جلسہ میں تمام مذاہب کے نمائندگان نے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنا تھیں اور مقررہ سوالات کے جوابات اپنے مذہب کی کتب کی روشنی میں دینے تھے۔ منتظمین نے پانچ سوالات مقرر کر دیئے تھے جن کے جوابات تمام نمائندگان مذاہب نے دیئے۔ حضور نے اُن کی دعوت قبول کی اور حضور کا تحریر فرمودہ مضمون آپ کے مخلص مرید حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے پڑھا۔ جلسہ کے انعقاد سے قبل آپ نے ایک اشتہار شائع فرمایا۔ جس میں فرمایا۔ میرا یہ مضمون سب پر غالب رہے گا اور اسلام کے مقابل تمام دوسرے مذاہب خیبر کے یہودی قلعوں کی طرح مفتوح ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ مضمون کے لئے دو گھنٹے وقت مقرر تھا۔ لیکن جب آپ کا مضمون شروع ہُوا تو سامعین کی جانب سے تحسین و آفرین کے نعرے بلند ہوئے۔ اور آپ کے مضمون کو پورا سُننے کے مطالبہ کے پیشِ نظر جلسہ کا ایک دن بڑھایا گیا۔ یہ مضمون اب دُنیا کی مختلف زبانوں

---

[1] براہین احمدیہ حصہ سوئم ص۲۵۰۔۲۵۱ حاشیہ و سراج منیر ص۳۲۔ قادیان کے آریہ اور ہم ص۲۸، ۲۹۔

میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ یہ خدا کی طرف سے ایک نشان تھا اور خدا کی تائید کو جذب کیا تھا آپ کی دعاؤں نے کہ آپ نے فرمایا تھا:۔

"میں نے اس مضمون کی سطر سطر پر دُعا کی ہے"۔[۱]

عشقِ قرآن

قرآن خدائے لم یزل کی آخری اور مکمّل شریعت ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوئی۔ اس کی فصاحت و بلاغت اور اس کے مضامین کی مثال دُنیا نہ پیش کر سکی نہ قیامت تک کر سکے گی۔ یہ خدا کا پیغام ہے جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم بندوں کی طرف لائے۔ اس کی حُسن و خوبی کا بیان کما حقہٗ نہیں کر سکتے۔ حضور پاک فرماتے ہیں:۔ ؎

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاکِ رحماں ہے
بہارِ جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے
کلامِ پاکِ یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لولوئے عمّاں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے

جب سے دُنیا پیدا ہوئی شعراء چاند کی تعریف کرتے رہے لیکن قرآن کے یہ عاشقِ صادق فضائلِ قرآن مجید کا آغاز نظم میں اس شعر سے کرتے ہیں:۔

---

[۱] اصحاب احمد جلد ہفتم صہ ۲۶۵۔

جمال و حُسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

کہ اوروں کا چاند تو وہ ماہتاب ہے جو آسمان پر دمکتا ہے لیکن میرا چاند تو یہ قرآن ہے جو میرے محبوب کے ماتھے کا جھومر بنا۔

آپ نے نظم و نثر دونوں میں قرآن کی صداقت، عالمگیری اور خوبی پر بہت کچھ لکھا۔ آپ اپنی ایک فارسی نظم میں فرماتے ہیں:۔

حق فرستادہ ایں کلام بیمثال ⁂ تا رسی در حضرت قدس و جلال
ہر کہ روئے خود ز فرقاں در کشید ⁂ جاں او روئے یقیں ہرگز ندید[1]

خدا نے یہ بے مثال کلام نازل فرمایا تا کہ تُو اس پاک و ذوالجلال کی درگاہ تک پہنچ سکے۔ اور جس نے بھی قرآن سے رُوگردانی اختیار کی اس نے یقین کا مُنہ ہرگز نہیں دیکھا۔

قرآن کی تاثیر کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:۔

وحیِ فرقان است جذبِ ایزدی ⁂ تا بَرَندت از خود در بے خودی

قرآن کی وحی خدا کی ایک کشش ہے۔ تا کہ وہ تجھے نفسانیت سے روحانیت کی طرف لے جائے۔

قرآن کے معنوی وصف کو وہی بیان کر سکتا ہے جسے اس کتاب کے معنوی حُسن کی اطلاع ہو۔ جس نے اس کے معانی بے کراں کے بحر میں شناوری کی ہو۔ اور جس کے دل کی آنکھ کھلی ہو۔ حضرت اقدس نے اپنے فارسی کلام میں اتنے

---

[1] براہین احمدیہ حصہ سوئم حاشیہ صفحہ ۱۵۲۔

پیارے شعر قرآن مجید کی تعریف میں کہے ہیں کہ اشعار کے مطالعے کے بعد ہر غیر متعصب یہ پکار اٹھتا ہے کہ یہ شخص قرآن کا شیدائی ہے۔ قرآن اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر چکا ہے۔ قرآن اس کا محبوب ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

از نورِ پاک قرآں صبحِ صفا دمیدہ ٭ بر غنچہ ہائے دلہا بادِ صبا وزیدہ
ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد ٭ویں دلبری و خوبی کس در قمر ندیدہ

شعراء طلوع آفتاب اور سحر کے پھوٹنے کے حسین نظارے بیان کرتے ہیں لیکن حضرت احمد کے نزدیک قرآن کی سحر اور طلوع ہی حقیقی سحر ہے۔

آپ فرماتے ہیں:۔ (ترجمہ اشعار بالا) قرآن کے پاک نور سے روشن صبح نمودار ہو گئی۔ اور دلوں کے غنچوں پر باد صبا چلنے لگی جس سے دل کے غنچے چٹکنے لگے۔ ایسی روشنی اور چمک تو دوپہر کے سورج میں بھی نہیں اور ایسی کشش اور حسن تو کسی چاندنی میں بھی نہیں۔

لوگ یوسف علیہ السلام کے حسن و شباب کے قصے بیان کرتے تھکتے نہیں۔ پر حضرت اقدس یوسفؑ کے حسن اور کارناموں کا قرآن مجید کے حسن، تاثیر اور کارناموں سے یوں موازنہ کرتے ہیں:۔

یوسف بقعرِ چاہے محبوس ماند تنہا ٭ ویں یوسفے کہ تنہا از چاہ برکشیدہ

یوسف تو کنوئیں کی تہ میں اکیلا گرا ہوا تھا۔ مگر اس یوسف نے بہت سے لوگوں کو کنوئیں سے نکالا ہے۔

اپنے محبوب یعنی قرآن سے مخاطب ہو کر آپ فرماتے ہیں:۔

اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی ٭ تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریدہ [1]

---

[1] براہین احمدیہ حصہ سوئم حاشیہ ص۲۷۴۔

اے حُسن کی کان میں جانتا ہوں کہ تو کس سے تعلق رکھتی ہے۔
تُو تو اُس خدا کا نُور ہے جس نے یہ مخلوقات پیدا کی ہے۔

اس شعر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا قرآن آپ کا محبوب جامہ زندگی میں آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ اور آپ اس سے محو نیاز ہیں۔ یہ فارسی اشعار حضور کی سب سے پہلی کتاب براہین احمدیہ سے ہیں۔ اس کتاب کی تصنیف کی غرض ہی صداقت اسلام۔ صداقتِ رسولؐ اور صداقتِ قرآن ہے۔

قرآن آپ کی رُوح کی غذا تھی، قرآن آپ کی زندگی تھی، قرآن سے آپ کو والہانہ محبّت تھی جس کا اظہار آپ نے اس شعر میں فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں :-

دِل میں یہی ہے ہردم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

قرآن پر عمل کے بارہ میں اپنی جماعت کو نصیحت فرماتے ہوئے اپنی مشہور کتاب کشتی نوح میں فرماتے ہیں :-

"مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں۔ اور باقی سب اس کے ظلّ تھے۔ سو تم قرآن کو تدبّر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا اَلْخَیْرُ کُلُّهٗ فِی الْقُرْاٰن کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں

یہی بات سچ ہے"۔[1]

یہ تھے قرآن کے بارہ میں آپ کی تعلیم اور نظریات۔ اب میں آپ کی زندگی کے کچھ واقعات عشق قرآن کے بارہ میں ہدیہ قارئین کرتا ہوں۔

حضرت اقدس نے جوانی میں کچھ عرصہ ملازمت کے سلسلہ میں سیالکوٹ میں قیام فرمایا۔ آپ کچہری میں ملازم تھے اور کشمیری محلہ میں آپ کی سکونت تھی۔ گھر پر حضور کا دستور یہ تھا کہ یا لمبے لمبے سجدے ہوتے یا قرآن مجید کی تلاوت اور خود کاغذ پر لکھ کر دیواروں پر جگہ جگہ قرآن مجید کی آیات لٹکا دیا کرتے۔[2]

قادیان میں ایک غریب گھرانہ کا نابینا نوجوان معین الدین عرف معنا تھا حضور اُسے اپنے گھر لے گئے اور اس کے اخراجات کے کفیل بنے کہ نماز باجماعت ادا کیا کریں گے اور تم قرآن شریف یاد کیا کرو۔ حضور کی صحبت سے یہ نوجوان پارس کا سونا بن گیا۔[3]

انبیاء کی رُوح کی غذا یہی قرآن ہے۔ یہ ہر روحانی بیماری کا علاج ہے۔ اور صاحب ایمان کے لئے یہ سکینت بخش جام ہے حضور کے نسبتی بھائی ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب بیان فرماتے ہیں:۔

"ایک دن مغرب کے بعد حضرت صاحب مسجد مبارک میں شاہ نشین پر احباب کے ساتھ بیٹھے تھے کہ آپ کو دوران سر کا دورہ شروع

---

[1] کشتی نوح ص۲۶، ۲۷ (روحانی خزائن)۔ [2] حیات طیبہ ص۲۵ شیخ عبدالقادر صاحب
[3] اصحاب احمد جلد ۱۳ ص۲۸۸۔

ہوا۔ اور آپ شاہ نشین سے نیچے اُتر کر فرش پر لیٹ گئے۔ اور بعض لوگ آپ کو دبانے لگ گئے۔ مگر حضور نے کچھ دیر میں سب کو ہٹا دیا۔ جب اکثر دوست وہاں سے رخصت ہو گئے تو آپ نے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم سے فرمایا کہ کچھ قرآن شریف پڑھ کر سنائیں۔ مولوی صاحب مرحوم دیر تک نہایت خوش الحانی سے قرآن شریف سُناتے رہے۔ یہانتک کہ آپ کو افاقہ ہو گیا [۱]

قرآن مجید سُنکر آب دیدہ ہو گئے

قرآن مجید اسی دل پر اثر کرتا ہے جس میں خدا، اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب کی محبّت ہو۔ حضرت اقدس کے مشہور ساتھی حضرت مفتی محمد صادق صاحب فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت اقدس کو صرف ایک دفعہ روتے دیکھا ہے۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضور اپنے خدام کے ساتھ باہر سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ ایک صاحب حاجی حبیب الرحمٰن صاحب آف حاجی پورہ کے داماد ان دنوں قادیان آئے تھے وہ بھی حضور کے ساتھ سیر میں شامل تھے۔ کسی شخص نے اثناء سیر عرض کیا حضور یہ قرآن بہت اچھا پڑھتے ہیں۔ حضور وہیں راستہ کے ایک طرف بیٹھ گئے اور فرمایا کچھ قرآن شریف پڑھ کر سنائیں۔ چنانچہ انہوں نے قرآن سنانا شروع کیا تو میں نے دیکھا حضور کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے [۲]

مفتی صاحب فرماتے ہیں میں نے سخت صدمات میں بھی حضور کو روتے

۱؎ سیرت المہدی حصہ دوم ص۱۲۶ ۔ ۲؎ سیرت المہدی حصہ دوم ص۱۰۵

نہیں دیکھا۔ حضور کے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب بھی مفتی صاحب کے بیان کی تصدیق فرماتے ہیں کہ آپ کو اپنے اوپر بہت ضبط حاصل تھا۔ زیادہ سے زیادہ آپ کی آنکھیں ڈبڈبا آتی تھیں۔ لیکن یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کا کلام سُن کر حضرت اقدس کا عشقِ قرآن آنسو بن کر آنکھوں سے بہہ پڑا۔

یہاں میں یہ ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بالکل اسی قسم کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں بھی مذکور ہے کہ جب ابیؓ بن کعب سے حضور نے قرآن سُنا تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بھی خاکسار کو مطالعہ کا کافی موقعہ نصیب ہُوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندِ جلیل حضرت اقدس کی سیرت کا مطالعہ بھی کیا۔ مجھے یہی نظر آیا کہ خادم نے آقا کے نقشِ قدم پر ہی پاؤں رکھا۔ ؎

شاگرد نے جو پایا اُستاد کی دولت ہے

شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے استاد شمس العلماء مولانا سید میر حسن صاحب سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ جن دنوں حضور سیالکوٹ میں قیام پذیر تھے۔ ان دنوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:۔

"حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پُر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے۔ عمرا نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہتے تھے۔ کچہری سے جب تشریف لاتے تھے تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تھے۔ بیٹھ کر، کھڑے ہو کر، ٹہلتے ہوئے تلاوت کرتے تھے اور زار زار رویا کرتے تھے۔ ایسی خشوع اور خضوع

سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔" [1]

قرآن خدا نما ہے خدا کا کلام ہے۔ اس سے زیادہ موثر کوئی کلام نہیں۔ لیکن یہ تاثیر اُسی دل پر کرتا ہے جو خشیت اور محبتِ الٰہی سے لبریز ہو۔ دل میں درد و سوز ہو تو آنکھوں کے چشمے اُبل کر بہہ پڑتا ہے۔ ایک بار سیدنا عمرؓ نے ایک قاری کو قرآن مجید کی یہ آیات پڑھتے سُنا اِنَّ عذاب ربّک لواقع ما لہ من دافع [2] تو ٹانگیں لڑکھڑا گئیں۔ زمین پر گر پڑے اور کئی روز تک طبیعت پر اس کا اثر رہا۔ قاضی بصرہ حضرت زرارۃ بن اوفیٰ نے صبح کی نماز میں جب یہ آیات تلاوت کیں فاذا نقر فی الناقور فذالک یومئذ عسیر کہ جس دن بگل میں پھونکا جائے گا وہ دن بہت سخت ہوگا۔ تو غش کھا کر جا گرے اور رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی [3]۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝ [4]

---

[1] سیرت المہدی حصہ اوّل ایڈیشن دوم صفحہ ۲۷۔ [2] سورۃ طور آیت ۸،۹۔ [3] ترمذی باب فضل الصلوٰۃ باللیل [4] سورۃ الحج آیت ۲تا۳۔

لوگو اپنے خدا کا تقویٰ اختیار کرو۔ قیامت کا زلزلہ ایک بڑی چیز ہے۔ تم دیکھو گے اسدن ہر دودھ پلانے والی اپنے شیر خوار بچے سے غافل ہو گی۔ اور حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا۔ اور لوگ ہوش بھول جائیں گے حالانکہ انہوں نے کوئی نشہ نہ کیا ہو گا۔ لیکن خدا کا عذاب بڑا سخت ہے۔

تو صحابہ رونے لگ گئے۔[1]

خدا والوں کا یہی حال ہوا کرتا ہے۔ دل میں سوز ہو تو آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں۔ اور خشیت الٰہی کے یہ آنسو ہی ہیں جن کے بارہ میں حدیث میں آتا ہے۔ اس آنکھ کو جہنم نہیں چھوئے گی جو خدا کے لئے رو دی۔[2]

قرآن اولاد سے بھی زیادہ عزیز تھا

راقم الحروف نے حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے یہ روایت سُنی ہے کہ ایک بار حضرت امّی جان صبح قرآن مجید پڑھ رہی تھیں۔ قرآن مجید ریل پر رکھا تھا کہ ہمارے چھوٹے بھائی مبارک احمد جو بہت کم عمر تھے اور حضرت اقدس کو بہت پیارے تھے والدہ محترمہ سے کوئی چیز مانگ رہے تھے۔ چیز کا مطالبہ کرتے ہوئے انہوں نے ریل کو اس طرح ہاتھ سے دھکیلا کہ قریب تھا قرآن گر جاتا۔ حضور یہ دیکھ رہے تھے۔ آپ چیل کی مانند جھپٹ کر تیزی سے آگے آئے اور

---

[1] ترمذی ابواب التفسیر سورۃ حج۔ [2] ترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی فضل البکاء من خشیۃ اللہ۔

مبارک احمد کو زور سے ایک تھپڑ رسید کیا اور فرمایا قرآن مجید کی بے حرمتی کرتے ہو۔

اس واقعہ سے حضور کے قرآن مجید کے عشق و احترام کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ بچوں کو مارنے کے سخت خلاف تھے اور بچوں میں سے بھی پیارا بچہ جس کی نوعمری میں وفات کی خبر آپ کو دی گئی تھی۔ اُس سے خطاً قرآن مجید کے احترام کے خلاف حرکت سرزد ہوئی تو آپ برداشت نہ کر سکے۔ اس ایک واقعہ کے علاوہ اولاد کو مارنے کا کوئی واقعہ حضور سے ثابت نہیں۔

قرآن پر غور و فکر

اس کتاب میں یہ واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت سیدہ اُم محمود مع بچگان لاہور سے تشریف لے گئے۔ حضور نے یہ سفر پالکی میں کیا۔ اور بارہ میل کی تمام مسافت جو قریباً پانچ گھنٹے کی تھی۔ آپ قرآن کھول کر سورۃ فاتحہ پر ہی غور کرتے رہے۔ راستہ میں صرف پیشاب وغیرہ کے لئے آپ رُکے اور پھر وضو کر کے قرآن مجید کو کھول کر اسی سورت پر غور کرتے رہے۔

حضرت اقدس نے اپنے علم کلام کی بنیاد ہی قرآن پر رکھی۔ حضور کی جملہ کتب کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں۔ کوئی بھی مضمون یا مسئلہ ہو۔ حضور اس کے لئے استدلال میں اوّلیت قرآن کو ہی دیتے۔ حضور نے اپنی مشہور کتاب کشتی نوح میں ہدایت کے تین ذرائع بیان فرمائے ہیں۔ اوّل قرآن۔ دوم سنّت اور سوئم حدیث۔ اور قرآن ان سب پر مقدم ہے۔ ہدایت کا سرچشمہ یہی ہے۔

اس کی حفاظت کا وعدہ خدا نے لیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں وصیت کی تھی کہ جب تک تم قرآن اور میری سنّت کو تھامے رکھو گے راہِ حق پر قائم رہو گے۔ گمراہ نہیں ہو گے حضرت اقدس فرماتے ہیں :۔ سے

یک قدم دوری ازاں روشن کتاب ؛ نزدِ ما کفر است وخسران و تباب

کہ میرے نزدیک اس روشن کتاب سے ایک قدم دوری بھی۔
کفر۔ گھاٹا اور ہلاکت ہے۔

اور آپ کا یہ فقرہ انشاء اللہ مستقبل میں سنہری حروف سے ایوانوں میں لکھا جائے گا۔

"جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔"[1]

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عشقِ رسول متاعِ ایمان ہے۔ کوئی شخص خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتا جب تک دامنِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھام نہ لے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ[2]

اے رسولؐ ان کو کہدے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تم سے محبت کرے گا۔

---

[1] کشتی نوح صہ۱۳ (روحانی خزائن)۔ [2] آل عمران آیت ۳۲

آج کوئی روحانی رفعت نصیب نہیں ہو سکتی جب تک درِ محمدؐ کی غلامی نہ کی جائے: اس وقت تک ایمان کا دعویٰ ہی عبث ہے جب تک عشقِ محمد ہر محبت سے سوا نہیں۔ حضرت ابوہریرۃ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس وقت تک حقیقی مومن نہیں ہو سکتے جب تک میں تمہارے والد تمہارے باپ اور تمہاری اولاد سے تمہیں زیادہ محبوب نہ ہوں[1]

حضرت اقدس کو اپنے آقا و مطاع سے ایسا عشق و محبت تھا جسے الفاظ میں بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔ محبت کے جو بھی لوازم اور اثرات ہوتے ہیں وہ سب حضرت اقدس کی زندگی میں ہمیں نظر آتے ہیں۔ آپ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف، حسن اور فضیلت کے بارہ میں نظم میں بھی اور نثر میں بھی اردو میں بھی کہا اور عربی اور فارسی میں بھی۔ اور ایسے ایسے نادر شعر آپ نے کہے ہیں کہ اُن کو پڑھ کر دل و دماغ حبِّ رسول سے معطر ہو جاتے ہیں۔

محبت کی ایک علامت یہ ہوتی ہے کہ محبّ ہر وقت اپنے محبوب کا ذکر کرتا کرتا ہے۔ اس کی زبان پر اسی کا نام ہوتا ہے۔ حبِّ رسولؐ میں حضرت اقدس کی یہی کیفیت تھی۔ اپنے محبوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہو کر آپ فرماتے ہیں: ۔ ؎

یا حِبِّ اِنَّکَ قَد دَخَلْتَ مَحَبَّۃً
فی مُھجتی و مدارکی و جنانی

---

[1] بخاری کتاب الایمان باب حبّ الرسول صلے اللہ علیہ وسلم۔

مِنْ ذِکْرِ وَجھِکَ یالحَدِیقَۃَ بَھْجَتی
لَمْ اَخْلُ فِی لحظٍ ولا فِی اٰنٍ

اے محبوب تیری محبت میری جان میرے ادراکات اور دل
میں داخل ہے۔ اے میری رونق کے گلستان تیرے چہرہ کی یاد
سے میری زندگی کا کوئی لمحہ خالی نہیں۔

جب مُحِبّ پر محبوب کی محبت غالب ہوتی ہے۔ تو اُسے ہر طرف وہی نظر آتا ہے۔ ہر طرف سے اسی کی صدائیں اسے سُنائی دیتی ہیں۔ کہ انتہائے محبت میں یہی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوش ہوش
در ہر مکاں ندائے جمالِ محمدؐ است

مَیں نے دل کی آنکھ سے دیکھا اور ہوش کے کانوں سے سُنا۔
ہر جگہ مجھے محمدؐ کے جمال کی ہی ندا سنائی دی۔

عشق کی انتہاء یہ ہوتی ہے کہ محِبّ اپنے دل ودماغ، احساسات وادراکات کو محبوب کے تابع کر دیتا ہے۔ وہ مَن و تُو کی منزل سے گذر جاتا ہے۔ اور اپنے وجود کو درمیان سے محو کر دیتا ہے۔ یہی کیفیت حضرت اقدس کی تھی۔ آپ اپنے محبوب سے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ ؎

من تو شُدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری[1]

---

[1] ایک غلطی کا ازالہ۔

میرے محبوب مَیں تُو ہو گیا اور تُو مَیں ہو گیا۔ میں قالب بنا تو آپ
رُوح۔ یہ کیفیت اس لئے ہوئی تا اس کے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ
مَیں اَور ہوں اَور آپ اَور ہیں۔

اپنے ایک اردو شعر میں فرماتے ہیں:۔ ؎

اس نُور پر فدا ہوں اس کا ہی مَیں ہوا ہوں
وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

اس لئے آپ نے فرمایا:۔

"ہمارے معجزات سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات
ہیں۔ ہمارا اپنا کچھ نہیں۔" [۱]

عشق و محبت کی ایک علامت یہ ہوتی ہے کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے محبوب کی طرف جو منسوب ہو وہ بھی محبوب ہوتا ہے۔ عربی میں محاورہ ہے۔ دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے اور انگریزی زبان میں ضرب المثل ہے LOVE ME LOVE MY DOG۔ محبّ محبوب کے گلی کوچوں سے بھی پیار کرتا ہے۔ حضرت اقدس کی اس کیفیتِ محبت کو اس شعر میں ملاحظہ کیجئے۔ آپ فرماتے ہیں:۔ ؎

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است ۞ خاکم نثار کوچہ آلِ محمدؐ است

کہ میری جان اور میرا دل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پر قربان ہے
اور میری خاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے کوچہ پر قربان۔

---

[۱] ملفوظات جلد ۳ صفحہ ۱۴۷۔

محبوب کے محبوں سے آپ کی محبت کا یہ حال تھا کہ ایک بار محرم کے مہینہ میں گھر میں بچوں کو شہادت حسین کا واقعہ سنا رہے۔ انگلیوں کے پوروں سے آنسو پونچھتے جاتے ہیں اور بیان ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں

"یزید پلید نے یہ ظلم ہمارے نبی کریم کے نواسے پر کروایا۔ مگر خدا نے بھی ان ظالموں کو بہت جلد اپنے عذاب میں پکڑ لیا۔" [1]

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کے بغیر آنکھوں سے آنسو رواں ہیں؟ دھواں آگ سلگنے سے ہی اٹھتا ہے اور اشک دلی درد کی ہی غمازی کرتے ہیں۔

عشق و محبت کی ایک علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کا کسی کو شریک نہیں بناتا۔ اس کا دل محبوب کی یکتائی کا ہی قائل رہتا ہے۔ اس کے حسن کا گرویدہ ہو کر وہ کسی اور حسن کو خاطر میں ہی نہیں لاتا اور بخدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا صاحب جمال تو دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا حسان نے کیا خوب کہا تھا:۔

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

کہ اے میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تو ہر نقص سے پاک پیدا کیا گیا ہے۔ گویا کہ جس طرح تو نے چاہا تو پیدا کیا گیا۔

---

[1] درِ منثور صفحہ ۳۹۔

حضرت اقدس اپنے محبوب آقا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن وجمال کا چرچا کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں :- ؎

صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہ ذقن

واں مسیح ناصری شد از دَمِ اُو بے شمار

یوسف کے حسن کے قصیدے پڑھنے والو! مجھے تو اپنے محبوب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھوڑی کے گڑھے میں لاکھوں یوسف نظر آتے ہیں۔ اور مسیح کے دم کے اعجاز کے مدّاحو! تم کہتے ہو مسیح کے دَم سے مُردے زندہ ہو جاتے تھے میرے محبوب کے دم کے اعجاز کی تو یہ کیفیت ہے کہ اس کے دم سے لاکھوں مسیح پیدا ہو سکتے ہیں۔

محبّ کے عشق و محبّت کا تقاضا ہے کہ وہ محبوب کی جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ تو اُس وقت کے تصوّر سے ہی گھبراتا ہے۔ اندازہ کیجئے حضور کی اپنے مدنی آقا سے محبّت کا کہ چودہ سو سال گذرے اُن کے محبوب کا وصال ہُوا تھا۔ اُس وصال کے موقعہ پر ایک آنکھ جس نے جمالِ محمّد کا مشاہدہ کیا تھا مدینہ کی گلیوں میں آنسو بہاتی ہے اور اس عاشق کی زبان پر یہ شعر ہے ؎

کُنْتَ السواد لناظری فعمیَ علیکَ النواظر

مَنْ شَاءَ بعدکَ فلیمت فعلیکَ کنت احاذر

اَے میرے محبوب! تو میری آنکھ کی پُتلی تھا۔ تو فوت ہو گیا تو مَیں اندھا ہو گیا۔ تیرے بعد اب جو چاہے دُنیا سے رخصت ہو مجھے تو تیرا ہی اندیشہ تھا۔

چودہ سو سال کے بعد یہ عاشقِ رسول تنہائی میں یہی شعر گنگناتا ہے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ اور کہتے ہیں کاش یہ شعر میں نے کہا ہوتا ہے[۱]

حسّان نے اُس ماہِ مکّی کے چہرہ مبارک کو مادّی آنکھوں سے بھی دیکھا تھا۔ لیکن اس عاشق نے تو اپنے محبوب کے حُسن وجمال کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ پھر بھی اُس تصورِ جدائی پہ یہ کرب، اگر یہ انتہائی عشق کا مظہر نہیں تو اور کیا ہے۔

میں یہ کہہ رہا ہوں کہ محبّ محبوب کی جدائی کے تصوّر سے ہی گھبراتا ہے۔ وہ اس گھڑی کا سامنا نہیں کر سکتا۔ ایک بار حضرت اقدس گھر میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے خسر حضرت میر ناصر نواب صاحب نے حج کا ذکر فرمایا اور کہا اَب تو بہت سہولتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ حج کو چلنا چاہیئے۔ جب میر صاحب یہ ذکر کر رہے تھے تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک گئیں۔ ہاتھ کی انگلی سے آنسو صاف کرتے ہوئے فرمایا :-

"یہ تو ٹھیک ہے اور ہماری بھی دلی خواہش ہے۔ مگر میں سوچا کرتا ہوں کہ کیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کو دیکھنے کی ہمت بھی کر سکوں گا۔"[۲]

وہ جس کے جسم کا ذرّہ ذرّہ عشقِ رسولؐ تخلیق تھا وہ محبوب کے مرقد پہ کھڑے کیسے ہو سکتا تھا۔ اس کی نظر اس پر پڑتی تو رُوح جسم میں کس طرح رہ جاتی۔

عشق و محبت کا ایک تقاضا یہ ہوتا ہے کہ محبّ محبوب کے حق میں برداشت نہیں سکتا۔ محبوب کے بدخواہوں کو وہ اپنا دشمن سمجھتا ہے۔

---

[۱] درِّ منثور ص ۴۹ حضرت میاں بشیر احمد صاحب۔ [۲] ایضاً ص ۵۰

عشق کے اس جذبہ کا اظہار حضرت اقدس سے اس طرح ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"جو لوگ ناحق خدا سے بے خوف ہوکر ہمارے بزرگ نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرے الفاظ سے یاد کرتے اور آنجناب پر ناپاک تہمتیں لگاتے اور بدزبانی سے باز نہیں آتے ان سے ہم کیونکر صلح کریں۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم شورہ زمین کے سانپوں اور بیابانوں کے بھیڑیوں سے صلح کر سکتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں سے ہم صلح نہیں کر سکتے جو ہمارے پیارے نبی پر جو ہمیں اپنی جان اور ماں باپ سے بھی پیارا ہے ناپاک حملے کرتے ہیں۔"[۱]

اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام میں آپ نے فرمایا۔ اصل عبارت عربی میں ہے اس کا ترجمہ یہ ہے :۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھے۔ اور اپنے افتراء کے ذریعہ بہت بڑی مخلوق کو گمراہ کیا۔ میرے دل کو سب سے زیادہ تکلیف اس وقت پہنچتی ہے مَیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ان کا تمسخر اور استہزا اور حضور کی عزت پر ان کے ناپاک حملے سنتا ہوں۔ خدا کی قسم اگر میری ساری اولاد اور پھر اولاد کی اولاد میری نظروں کے سامنے قتل کر دی جائے اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ اور ان کی

۱؎ پیغام صلح صفحہ ۳۰۔

آنکھوں کی پتلیاں نکال دی جائیں۔ اور ہر خواہش اور ہر مراد سے
مَیں محروم کر دیا جاؤں تب بھی مجھے وہ صدمہ اور تکلیف نہ ہو جو
مجھے ان کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدزبانی اور گستاخی
سے ہوتی ہے۔ اے اللہ ہمارے حال پر رحم کر۔ اور دیکھ ہم کس
آزمائش کی بھٹی میں ڈالے جا رہے ہیں ؏۱

نومبر ۱۹۰۷ء میں لاہور کی آریہ سماج نے ایک جلسہ کروایا اس میں مختلف مذاہب کے نمائندگان کو بھی مدعو کیا۔ ان کی دعوت پر قادیان سے حضرت مولانا نورالدین صاحب۔ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔ شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم۔ مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر البدر نے اس جلسہ میں شرکت فرمائی اس جلسہ میں حضرت اقدس کا مضمون مولانا نورالدین صاحب نے پڑھا۔ آریہ سماج کے مقرر نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے اپنی تقریر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف سخت کلامی اور بدزبانی سے کام لیا۔ وفد نے واپسی پر جب حضرت اقدس کی خدمت میں جلسہ کی روئیداد عرض کی اور اس میں اُن کی بدعہدی اور بدزبانی کا ذکر کیا تو حضور نے فرمایا۔ اس صورت میں تمہیں تو ایک منٹ کے لئے بھی وہاں بیٹھنا نہیں چاہیئے تھا۔ جس وقت اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی تمہیں اُسی وقت کھڑے ہو جانا چاہیئے تھا اور ہال سے باہر نکل آنا چاہیئے تھا۔ اور اگر وہ تمہیں نکلنے کے لئے راستہ نہ دیتے تو پھر اس ہال کو خون سے بھرا ہوا ہونا چاہیئے تھا۔ تم نے یہ بے غیرتی کیوں

؏۱ آئینہ کمالاتِ اسلام صہ۱۵۔

دکھائی کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دی گئیں اور تم خاموشی سے بیٹھ کر ان گالیوں کو سنتے رہے[1] اور پھر آپ نے بڑے جوش کے ساتھ سورۃ نساء کی یہ آیت پڑھی۔

اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِھَا وَیُسْتَھْزَءُ بِھَا فَلَا تَقْعُدُوْ مَعَھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ[2]

کہ جب تم یہ دیکھو کہ اللہ کی آیات کا انکار اور اُن سے استہزاء کیا جا رہا ہے۔ تو ایسے لوگوں کے پاس مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ دوسری باتوں میں لگ جائیں۔

مشہور آریہ سماج پنڈت لیکھرام ایک زبان دراز مقرر تھا۔ حضور لاہور سے قادیان تشریف لا رہے تھے۔ لاہور کے سٹیشن پر آپ وضو فرما رہے تھے کہ پنڈت لیکھرام ملنے کے لئے آگیا۔ اُس نے سلام عرض کیا لیکن حضور نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر سلام عرض کیا۔ لیکن اب کے بھی حضور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کسی نے عرض کیا حضور لیکھرام آیا ہے اور سلام کرتا ہے۔ حضور نے فرمایا:۔

"میرے آقا کو گالیاں دینا مجھے آکر سلام کرنا کیا معنے رکھتا ہے۔ میں ایسے بے ادب اور گستاخ شخص کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا"[3]

---

[1] درِ منثور از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ص۳۲ و تاریخ احمدیت جلد ۳ ص۵۱۷۔

[2] نساء آیت ۱۴۱ [3] درِ منثور ص۳۲ و مجدد اعظم جلد دوم ص۱۲۷۵۔

یہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے عشق کا نظارہ۔ آپ کے ملنے والوں میں ہندو۔ سکھ اور عیسائی سبھی تھے اور ان سب سے آپ کا سلوک انتہائی شفقت اور ہمدردی کا تھا۔ لیکن محبوب کے لئے غیرت کا مقام آیا تو آپ ننگی تلوار تھے۔ یہ شعر آپ کی ہی زبان سے نکلا ہوا ہے۔

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم ٭ گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم[1]

کہ خدا کے عشق کے بعد میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں مخمور ہوں۔ اگر میرا یہ عشق کفر ہے تو خدا کی قسم میں سخت کافر ہوں۔

بیٹے کی شہادت

حضرت اقدس کے بڑے بیٹے مرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے حضور کی زندگی میں بیعت نہیں کی تھی۔ لیکن انہوں نے جو کچھ گھر میں دیکھا اس کی بناء پر آپ نے فرمایا:۔

"ایک بات میں نے والد صاحب میں خاص طور پر دیکھی ہے۔ وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف والد صاحب ذراسی بات بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اگر کوئی شخص آنحضرتؐ کی شان کے خلاف ذراسی بات بھی کہتا تھا تو والد صاحب کا چہرہ سُرخ ہو جاتا تھا اور غصّے سے آنکھیں متغیّر ہونے لگتی تھیں اور فوراً ایسی مجلس سے اُٹھ کر چلے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو والد صاحب

---

[1] ازالہ اوہام

کو عشق تھا ایسا عشق مَیں نے کسی شخص میں نہیں دیکھا۔[1]

آپ تو "محمدؐ" نام پر جان چھڑکتے تھے۔ ایک بار ایک عورت سر پر ٹوکرا اُٹھائے کھلونے وغیرہ بیچتی آپ کے گھر آئی۔ اور خادمہ سے کہا۔ بی بی! بھوک لگی ہے۔ خادمہ نے اسے دو روٹیاں دیں۔ جب اس نے نوالہ توڑ کر کھانا چاہا۔ تو اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور پوچھا یہ عیسائیوں کا گھر تو نہیں۔ خادمہ نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس عورت نے کہا "مَیں بندہ خدا دا تے محمدؐ دی اُمت" حضور برآمدہ میں ٹہل رہے تھے۔ جب یہ پیارا نام سُنا تو اُس کی طرف مُنہ کر کے فرمایا اس کو تسلی دو کہ یہ گھر مسلمانوں کا ہے۔ اور اُسے ایک روپیہ دیا اور فرمایا کہ اس نے میرے پیارے کا نام لیا ہے۔ اور باوجود یکہ اس کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی اس نے تقویٰ سے کام لیا کہ لقمہ توڑ کر مُنہ میں نہیں ڈال لیا۔[2]

اب یہ ایک اچانک حادثہ ہے۔ گھر کا واقعہ ہے۔ لیکن نام محمدؐ سے حضور کی وارفتگی دیکھئے کہ اُس اجنبی عورت کے مُنہ سے وہ نام نامی سُنا تو فرمایا اسے تسلی دو اور یہ روپیہ دیدو۔ اس نے ہمارے محبوب کا نام لیا ہے۔ لیکن اس واقعہ سے لُطف اندوز وہی ہو سکتا ہے جو صاحبِ دل ہو۔ جس کا دل محبت کے مفہوم سے آشنا ہو۔ یہ کوئی فلسفیانہ بحث نہیں۔ یہ تو عشق و محبت کے نظاروں سے لُطف اندوز ہونے والے دل کا معاملہ ہے۔

اور اس باب کو مَیں حضور کے ایک اقتباس پر ختم کرتا ہوں۔ اسے پڑھئے اور غور کیجئے۔ اُس آنکھ نے محبوب کو کس نظر سے دیکھا۔ اپنے محبوب کا وصف

---

[1] سیرت المہدی حصہ اوّل ص۲۱۹، درِّ منثور ص۳۶ ۔ [2] اصحاب احمد جلد ۶ ص۱۲۵۔

بیان فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا۔ یعنی انسان کامل کو وہ ملائک میں نہیں تھا۔ نجوم میں نہیں تھا۔ قمر میں نہیں تھا۔ آفتاب میں نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی و سماوی میں نہیں تھا۔ صرف انسان میں تھا۔ یعنی انسان کامل میں جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سیّد و مولیٰ سیّد الانبیاء و سیّد الاحیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سو وہ نور اُس انسان کو دیا گیا۔"[1]

آپ اپنے ایک فارسی شعر میں فرماتے ہیں :-

حُسنِ رویش بہ ز ماہ و آفتاب ⁂ خاکِ کویش بہ ز مشک و عنبرے

آپ کے چہرہ کا حسن آفتاب و مہتاب سے بہتر ہے اور آپ کے کوچہ کی خاک مشک و عنبر سے بہتر ہے۔

اے اللہ! ہم گنہگاروں کو بھی عشقِ رسول عطا فرما۔ ایسا عشق کہ جس کی ایک چنگاری فانی محبتوں کو جلا کر رکھ دے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

احترامِ انسانیت و پاسِ عہد

خدا کے بندے مخلوق سے اس لئے محبّت کرتے ہیں کہ وہ ان کے خدا کی

---

[1] ازالہ اوہام صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۵۔

مخلوق ہے۔ جن کی لَو خدا سے لگی ہو۔ اُن میں بے نفسی، انکساری، عاجزی کا وصف پایا جاتا ہے۔ وہ ریاکاری، خودپسندی، عُجب اور کبر کے ہر پہلو سے مبّرا ہوتے ہیں۔ اُن کی نظروں میں سب انسان یکساں ہوتے ہیں۔ اُن کے نزدیک بڑا وہی ہوتا ہے جو تقویٰ میں افضل ہو۔ غریب و امیر کی تفریق ان کی مجلس میں نہیں ہوتی۔ آپ اپنے لئے کسی امتیاز کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ کی مجلس خدا کے بندوں کی بے تکلفی کی مجلس ہوتی۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں:۔

"حضرت اقدس جب کسی سے ملتے تھے تو مسکراتے ہوئے ملتے تھے اور ساتھ ہی ملنے والے کی ساری کلفتیں دُور ہو جاتی تھیں۔۔۔ آپ کی عادت تھی کہ چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی بات میں توجہ سے سُنتے تھے اور بڑی محبت سے جواب دیتے تھے۔ ہر آدمی اپنی جگہ سمجھتا تھا کہ حضرت صاحب کو بس مجھی سے زیادہ محبت ہے بعض وقت آدابِ مجلس رسول سے ناواقف لوگ دیر دیر تک اپنے لاتعلق قصے سُناتے رہتے تھے اور حضرت صاحب خاموشی کے ساتھ بیٹھے سُنتے رہتے اور کبھی کسی سے یہ نہ کہتے کہ اب بس کرو۔"[1]

آپ کے برادرِ نسبتی مکرم حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں:۔

"جب حضرت اقدس مع چند خدام کے باوا صاحب کا چولہ دیکھنے کے لئے ڈیرہ بابا نانک تشریف لے گئے۔ تو وہاں ایک بڑ کے درخت کے

---

[1] سیرت المہدی حصہ اوّل صفحہ ۲۴۶ روایت ۲۶۹

نیچے کچھ کپڑے بچھا کر جماعت کے لوگ مع حضور کے بیٹھ گئے مولوی محمد احسن صاحب بھی ہمراہ تھے. گاؤں کے لوگ حضور کی خبر سنکر وہاں جمع ہونے لگے تو ان میں سے چند آدمی جو پہلے آئے تھے. مولوی محمد احسن صاحب کو حضرت اقدس خیال کر کے اُن کے ساتھ مصافحہ کر کر کے بیٹھتے گئے. تین چار آدمیوں کے مصافحے کے بعد یہ محسوس کیا گیا کہ اُن کو دھوکا ہُوا ہے. اس کے بعد مولوی محمد احسن صاحب ہر ایسے شخص کو جو ان کے ساتھ مصافحہ کرتا تھا حضور کی طرف متوجہ کر دیتے تھے" ۱؎

بالکل اسی قسم کا ایک واقعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی مجلس کا احادیث میں مروی ہے کہ باہر سے آنے والا معلوم نہ کر سکا کہ اس گروہِ قدسیاں میں وہ سالارِ کارواں کہاں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنے والے کیلئے آپ کی نشاندہی کی۔

آپ کے سیرت نگار حضرت مولوی عبدالکریم صاحب فرماتے ہیں:-

"باہر مسجد مبارک میں آپ کی نشست کوئی خاص وضع کی نہیں ہوتی۔ ایک اجنبی آپ کو کسی خاص امتیاز کی معرفت پہچان نہیں سکتا" ۲؎

حضرت اقدس کے سیرت نگار مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کہ جو حلقہ صدر سیالکوٹ کی اہلحدیث کی مسجد کے امام تھے۔ بڑے صاحب نظر اعلیٰ ذوق کے حامل تھے۔ قرآن مجید کو اس جذبہ سے پڑھتے تھے کہ غیر مسلم بھی متاثر ہوئے

۱؎ سیرت المہدی حصّہ دوم ص۴۷ . ۲؎ سیرت حضرت اقدس ص۲۶ .

بغیر نہ رہتے۔ انہوں نے بہت قریب سے آپ کو دیکھا۔ انہوں نے آپ کی سیرت پر ایک مختصر لیکن جامع و مانع رسالہ تحریر فرمایا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"آپ اپنے خدام کو بڑے ادب اور احترام سے پکارتے ہیں۔ اور حاضر و غائب ہر ایک کا نام ادب سے لیتے ہیں۔ میں نے بارہا سُنا۔ اندر اپنی زوجہ محترمہ سے آپ گفتگو کر رہے ہیں اور اس اثناء میں کسی خادم کا نام زبان پر آگیا ہے تو بڑے ادب سے لیا ہے جیسے سامنے لیا کرتے ہیں۔ کبھی تُو کر کے کسی کو خطاب نہیں کرتے۔ تحریروں میں جیسا آپ کا عام رویّہ ہے۔ حضرت اخویم مولوی صاحب اور اخویم حبّی فی اللہ مولوی صاحب۔ اسی طرح تقریر میں بھی فرماتے ہیں حضرت مولوی صاحب یوں فرماتے ہیں"[1]

یہ خُلق اور سیرت تکلّف سے پیدا نہیں ہوتی۔ یہ عطیّہ خداوندی ہے۔ اور یہی وہ مقناطیسی کشش ہوتی ہے جو قلوب کو ایسا جذب کرتی ہے کہ دُنیا کی پھر کوئی قوّت یا لالچ کسی کو اس پاک دل سے الگ نہیں کر سکتی۔ ایک بار آپ کی مجلس میں کسی کی کچھ کمزوریوں کا کسی نے ذکر کیا۔ آپ نے سُنا تو اس شخص کو مخاطب ہو کر فرمایا

عیبش گفتۂ ای ہنرش نیز بگو کہ اس کے نقائص اور کمزوریاں گنوائی ہیں۔ اس کی خوبیوں کا بھی ذکر کیا ہوتا۔[2]

---

[1] سیرت حضرت اقدس ص۲ و ذکر حبیب ص۹۷۔ [2] ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب ص۵۰۔

اور اس حقیقت کی طرف کسی نے اس شعر میں توجہ دلائی ہے۔ ؎

من ذا الذی ساء قط ٭ ومن له الحسن فقط

کہ کون ہے جس سے کبھی کوئی کمزوری سرزد نہیں ہوتی۔ اور کون ہے جو سرتاپا خوبی ہے۔

ایک بار ایک خادمہ نے آپ کے گھر سے کچھ چاول چرا لئے۔ اس کی چوری پکڑی گئی۔ اس کو سخت سست کہا جا رہا تھا۔ آپ کو علم ہوا تو فرمایا چھوڑ دو۔ اسے رسوا نہ کرو۔ ضرورت مند ہے اسے کچھ دیدو۔[1]

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ فرمایا اگر کوئی اپنے گھر سے کوئی چیز لے جائے تو اُسے چور نہیں کہتے۔

اللہ اللہ کیا چشم پوشی اور احترام انسانیت ہے۔ کسی کی عزت کو مجروح کرنا پسند نہیں فرماتے۔ کسی کو رسوا کرنا گوارا نہیں۔ یہاں مجھے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ واقعہ یاد آ رہا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے کسی عورت نے کوئی چیز چھپا لی۔ اس کی چوری کا پتہ چل گیا۔ اس سے بازپرس ہو رہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا جانے دو۔ اسے رسوا نہ کرو۔[2]

حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھی ایک بار ایک شخص اپنے غلام کو لایا کہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چوری کیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا اسے چوری کی سزا

---

[1] سیرت حضرت اقدس از مولانا عبدالکریم صاحب ص۱۲۔
[2] ابو داؤد کتاب الحدود باب فی الحد یشفع منہ

نہیں دی جائے گی۔ یہ تمہارا خادم ہے۔

ایک بار ایک نان پز کے متعلق حضرت اقدس کی خدمت میں شکایت کی گئی کہ وہ روٹی چرا لیتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا بیچارہ ایک روٹی کی خاطر دو دفعہ آگ یعنی تنور میں جاتا ہے۔ کس عمدہ طریق سے آپ نے اس کا دفاع فرمایا۔ حدیثِ رسولؐ ہے کہ جہاں تک ہو سکے لوگوں کو سزا سے بچاؤ ادرءوا الحدود ما استطعتم۔

خدا والے خدا کی صفات کے مظہر ہوتے ہیں وہ چشم پوشی اور ستاری کرتے ہیں۔ دوسروں کی رسوائی سے انہیں قلبی تکلیف ہوتی ہے۔

ایک موقعہ پہ آپ فرماتے ہیں:۔

اگر کوئی مجھ سے عہد دوستی باندھے۔ تو مجھے اس عہد کی اتنی رعایت ہوتی ہے کہ وہ کیسا کیوں نہ ہو میں اس سے قطع تعلق نہیں کرتا اِلّا یہ کہ وہ خود تعلق قطع کرے۔

فرماتے ہیں اگر ہمارے دوستوں سے کسی نے شراب پی ہو اور بازار میں گرا ہو۔ لوگوں کا ہجوم اس کے گرد ہو تو بلا خوف لومۃ لائم اُسے اُٹھا کر لے آئیں گے۔ اور پیشتر اس کے اُسے ہوش آئے وہاں سے ہٹ جائیں گے تاکہ وہ ہوش میں آنے پہ شرمندہ نہ ہو۔[۱]

سیرت کا یہ پہلو کتنا بلند ہے کہ آنکھیں چار ہوں تو اسے شرم نہ آئے اور وہ اپنی نظر میں رسوا نہ ہو۔ وہ اپنے آپ کو زیرِ احسان نہ سمجھے۔

---

[۱] سیرت المہدی حصّہ دوم صـ۹۳

حدیث ترمذی میں امام صاحب نے ایک باب "حسنِ عہد" بھی باندھا ہے جس کے معنے پاسِ عہد کے ہیں۔ اور اس کے تحت امام صاحب حدیث لائے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بکرا ذبح کرتے تو خدیجہ کی سہیلیوں کو بھی گوشت بھجواتے تھے۔ اور اس کے اعزاء و اقارب کا بھی خیال رکھتے۔

یہ اخلاق خدا کے بندوں کے ہی ہو سکتے ہیں۔ عام آدمی تو یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ اخلاق کیا چیز ہے۔

ہم بسا اوقات کسی کی کمزوری اور گناہ کو دیکھ کر اس سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں اور اس کو تحقیر کی نظر سے دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ ارشادِ رسولؐ ہے کفی بالمرء ذنباً ان یحقر اخاہ المسلم۔ آدمی کے لئے یہ گناہ ہی کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حقیر جانے۔ آپ فرماتے تھے دوستی بڑا قیمتی جوہر ہے۔ اس کو آسانی سے ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جنہوں نے دعویٰ ماموریت کے بعد آپ کی شدید مخالفت کی اور سارے ہندوستان میں گھوم کر آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ آپ اپنے منظوم عربی کلام میں اُسے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں :-

وداللہ لا انسیٰ زمان تعلّقٍ ۔ ولیس فوادی مثل ارضٍ تحجّر

قطعت ودادا غرسناہ فی الصبا ۔ ولیس فوادی فی الوداد یقصّر[1]

بخدا میں تعلق کے زمانہ کو فروگذاشت نہ کروں گا۔ اور میرا دل ایسا نہیں جیسا پتھریلی زمین ہوتی ہے۔ تو نے تو اس کی دوستی کے درخت

---

[1] براہین احمدیہ حصّہ پنجم۔

کو کاٹ دیا جس کو ہم نے ابتدائی ایّام میں لگایا تھا۔ مگر میرے دل نے دوستی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

حضرت ابن عمرؓ کو ایک بار ایک شخص ملنے آیا۔ آپ نے اسے سواری بھی دی اور کپڑے بھی اور فرمایا یہ میرے باپ کا دوست تھا۔ پاس عہد ایک اعلیٰ درجہ کا خلق اور اعلیٰ کردار کی دلیل ہے۔

احترام انسانیت کا ایک اور بہت دلچسپ واقعہ آپ کی زندگی کا ہے۔ لاہور کے بابو غلام محمد صاحب فورمین بیان کرتے ہیں ایک دفعہ حضور پُر نُور لاہور تشریف لائے۔ ہم چند نوجوانوں نے مشورہ کیا کہ دوسری قوموں کے لیڈر جب یہاں آتے ہیں تو نوجوان گھوڑوں کی بجائے خود اُن کی گاڑی کھینچتے ہیں۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے جو لیڈر دیا ہے وہ اتنا عظیم الشان ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ بھی اس کے مقابل کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ پس آج گھوڑوں کی بجائے ہم حضور کی گاڑی کھینچیں گے۔ یہ مشورہ کر کے ہم نے گاڑی والے کو کہا۔ اپنا گھوڑا کھول لو۔ کوچوان نے ایسا ہی کیا۔ حضور باہر تشریف لائے فرمایا گھوڑا کہاں ہے۔ مَیں نے کہا حضور! دوسرے لیڈر یہاں آتے ہیں تو نوجوان اُن کی گاڑیاں کھینچنے کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا۔

"گھوڑے جوتو۔ ہم انسان کو حیوان بنانے کے لئے دنیا میں نہیں آئے۔ ہم تو حیوان کو انسان بنانے کے لئے آئے ہیں۔" [1]

---

[1] حیات طیبہ از شیخ عبد القادر صاحب ص۵۷۔

شفقت علیٰ خلق اللہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الخلق عیال اللہ فاحب الخلق من احسن الی عیالہ[1] کہ مخلوق خدا کی عیال ہے۔ اس لئے خدا کو مخلوق میں سے وہ شخص محبوب ہے جو اس کی عیال سے حسن سلوک کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اپنے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف رحیم یعنی بہت شفقت کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا قرار دیا۔ آپ نہ صرف اپنے صحابہ کے لئے بلکہ تمام جہانوں کے لئے شفیق باپ کی مانند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو "رحمۃ للعالمین" یعنی سب جہانوں کے لئے رحمت قرار دیا[2]۔ آپ کی رحمت کا دامن بیگانوں کے لئے حتیٰ کہ دشمنوں کے لئے بھی وسیع تھا۔

برائی کرنے والوں سے بھلائی کرنا کوئی آسان امر نہیں۔ یہ محض خدا کا فضل و احسان ہے کہ وہ انسان کو ایسا حوصلہ اور دل گردہ عطا کرے کہ وہ نہ صرف دشمن کو معاف کر سکے بلکہ اُس سے حسن سلوک کرے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں :۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ[3]

کہ اے رسول یہ محض خدا کی رحمت کا پرتو ہے کہ آپ ان کیلئے

---

[1] بیہقی فی شعب الایمان [2] انبیاء آیت ۱۰۸۔

[3]۔ اٰل عمران آیت ۱۶۰۔

نرم دل ہوئے ۔ اگر آپ سخت دل اور سخت زبان ہوتے تو یہ لوگ آپ کے گرد یوں جمع نہ ہوتے ۔

خدا کے مامور اگر ایک طرف خدا کے انتہائی مقرّب ہوتے ہیں تو دوسری طرف وہ خدا کی مخلوق پر باپ کی مانند شفقت کرتے ہیں ۔ حضرت اقدس اپنے صحابہ بلکہ اپنے بدخواہوں سے بھی خیر خواہی کرنے والے اور ان سے انتہائی شفقت کا سلوک کرنے والے تھے ۔ آپ فرماتے ہیں :-

" میں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں ۔ خدا کی توحید اختیار کرو آپس میں محبت اور ہمدردی ظاہر کرو "[1]

آپ فرمایا کرتے تھے :-

" ہمارے بڑے اصول دو ہی ہیں ۔ خدا کے ساتھ تعلق صاف رکھنا اور اس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور اخلاق سے پیش آنا "[2]

حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہے اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَۃُ کہ دین ہے ہی خیر خواہی ۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا ، حضور کس کی خیر خواہی ۔ آپؐ نے فرمایا ۔ اللہ کی ، رسول کی اور مسلمانوں کے ائمہ کی اور ایک روایت میں ہے عام مسلمانوں کی ۔ بے شک خدا کے پیاروں سے محبت کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے ذریعہ سے ایمان کی دولت نصیب ہوتی ہے ۔ اُن کی بدولت خدا کی معرفت نصیب ہوتی ہے ۔ لیکن اپنے ماننے والوں سے ان کا سلوک

---

[1] ملفوظات جلد دوم ص۴۸ ۔ [2] ذکر حبیب از حضرت مفتی محمد صادق صاحب ص۱۸۰ ۔

ایسا ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کو گرویدہ کر لیتا ہے۔ اُن کی شفقت اور محبت دلوں کو موہ لیتی ہے۔ اور اُن کا یہ سلوک یا ان سے اُن اخلاق کا سرزد ہونا کسی تکلّف کی بناء پر نہیں ہوتا بلکہ خدائے رؤف و رحیم کے مظہر ہونے کی وجہ سے وہ مجسم شفقت اور رحم ہوتے ہیں۔

حضور کا اپنے ساتھیوں سے ایسا ہی تعلّق تھا جیسا باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ۔ بے شک مسیح پاک اُن کے مطاع اور مُرشد تھے۔ لیکن اُن کی سیرت کا مطالعہ کریں تو یوں معلوم ہوتا ہے۔ مطاع و مُرشد خادم ہیں اور وہ مخدوم۔ دوسری طرف مرید اور صحابہ کی یہ کیفیت تھی کہ وہ ہزار جان سے آپ پر نثار تھے۔ وہ پروانہ کی مانند اس شمع کا طواف کرتے تھے۔ اُن کی رُوح کی غذا اس سراپا شفیق وجود سے عشق تھا۔ وہ تو اُس چہرہ کے بھوکے تھے گویا اس معاشرہ میں دونوں جانب سے خیر خواہی۔ ہمدردی کا ہی اظہار تھا۔ وہ ایک خاندان کے افراد کی طرح باہم تھے۔

مکان مشترک

آپ کے سیرت نگار حضرت مولوی عبدالکریم صاحب روایت کرتے ہیں۔

حضور مکان میں کوئی تعمیر کروا رہے تھے نجار تیر بندیاں اور تختے رندہ سے صاف کر رہا تھا حضور نے انہیں اس سے روک دیا اور فرمایا یہ محض تکلّف ہے اور ناحق کی دیر لگانا ہے۔ مختصر کام کرو۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہمیں کسی مکان سے کوئی انس نہیں۔ ہم اپنے مکانوں کو اپنے اور اپنے دوستوں میں مشترک

جانتے ہیں۔ اور بڑی آرزو ہے کہ مل کر چند روز گذارہ کر لیں اور فرمایا میری بڑی آرزو ہے کہ ایسا مکان ہو کر چاروں طرف ہمارے احباب کے گھر ہوں اور درمیان میرا گھر ہو۔ اور ہر ایک گھر میں میری ایک کھڑکی ہو کہ ہر ایک سے واسطہ و رابطہ رہے۔[۱]

اولادِ عزیز

اخبار بدر کے ایڈیٹر مفتی محمد صادق صاحب بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۰۷ء کا واقعہ ہے۔ مَیں بہت بیمار ہو گیا۔ میری والدہ محترمہ بھی قادیان تشریف لائی ہوئی تھیں۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر میری صحت کے لئے دُعا کی درخواست کی۔ حضور نے فرمایا ہم تو اُن کے لئے دُعا کرتے ہی رہتے ہیں۔ آپ کو خیال ہو گا کہ صادق آپ کا بیٹا ہے اور آپ کو بہت پیارا ہے لیکن میرا دعوٰی ہے کہ وہ مجھے آپ سے زیادہ پیارا ہے۔[۲]

اور یہ ایک حقیقت تھی اس میں کوئی مبالغہ نہ تھا۔ حضور کا سلوک واقعی مادرِ مہربان سا تھا۔ وہ قادیان آتے تو حضور اُن کے وضو کے لئے خود لوٹے میں پانی لا دیتے۔ اُن کے لئے موسم میں آم منگوائے انہیں گھر میں بلا کر ٹوکرا سامنے رکھ دیا اور فرمایا مفتی صاحب یہ مَیں نے آپ کے لئے منگوائے ہیں۔ حضور لاہور تشریف لے گئے معلوم ہوا مفتی صاحب بیمار ہیں تو خود اُن کے گھر

---

۱ سیرت حضرت اقدس از مولوی عبدالکریم صاحب صفحہ ۲۴۔ ۲ ذکرِ حبیب از مفتی محمد صادق صاحب صفحہ ۳۲۵

عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔[1] مسجد سے ان کا جوتا گم ہو گیا تو حضور نے ان کے پہننے کے لئے گھر سے اپنا جوتا بھجوایا۔[2]

مخدوم خادم ہیں

واقعات مفتی صاحب کی اپنی زبان سے سُنئے اور دیکھئے کہ حضور کی شفقت کا مفتی صاحب کے قلب پر کیا اثر ہُوا۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں:۔

"غالباً ۱۸۹۷ء یا ۱۸۹۸ء کا واقعہ ہو گا۔ مجھے حضرت صاحب نے مسجد مبارک میں بٹھایا جو کہ اس وقت ایک چھوٹی سی جگہ تھی۔ فرمایا کہ آپ بیٹھئے۔ میں آپ کے لئے کھانا لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ اندر تشریف لے گئے۔ میرا خیال تھا کہ کسی خادم کے ہاتھ کھانا بھیج دیں گے۔ مگر چند منٹ کے بعد کھڑکی کھلی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ اپنے ہاتھ سے سینی اٹھائے ہوئے میرے لئے کھانا لائے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا کہ آپ کھانا کھائیے میں پانی لاتا ہوں۔ بے اختیار رقت سے میرے آنسو نکل آئے کہ جب حضرت ہمارے مقتدا، پیشوا ہو کر ہماری یہ خدمت کرتے ہیں تو ہمیں آپس میں ایک دوسرے کی کسقدر خدمت کرنی چاہیئے۔"[3]

---

[1] ذکر حبیب از مفتی محمد صادق صاحب ص۳۲۵، ص۳۲۶۔ [2] ایضاً ص۵۱
[3] ایضاً ص۳۲۷۔

دوسرا واقعہ بھی مفتی صاحب کا بیان کردہ ہے۔ اس واقعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ مفتی صاحب حضور کو اپنی اولاد ہی کی طرح عزیز تھے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں:۔

"ایک دفعہ میں لاہور سے قادیان آیا ہوا تھا۔ پچھلی رات کو تھوڑی سردی ہو جایا کرتی حضرت صاحب نے مجھے خادم لڑکے کے ہاتھ دو کپڑے بھیجے۔ ایک گرم پشمینہ کی چادر اور ایک روئی دار دلائی (جو حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کی تھی) اور کہلا بھیجا۔ ان میں سے جو ایک پسند ہو رکھ لیں یا دونوں رکھ لیں"[1]

میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ حضور ہمارے مطاع اور امام تھے لیکن آپ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مخدوم اپنے خادموں کی ایک خادم کی طرح خدمت کرتے تھے۔ وہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پر اس شعر کے مصداق تھے:

خواجہ دو مر عاجزاں را بندہ ٭ بادشاہ و بیکساں را چاکرے

پگڑی کا پلو پھاڑ کر

حضرت مفتی صاحب کا بیان ہے کہ:۔

"ایک بار میں اور میری والدہ قادیان آئے ہوئے تھے۔ ہم واپس ہونے لگے تو حضور ہمارے یکہ پر سوار ہونے کی جگہ تک ساتھ تشریف لائے۔ اور ہمارے راستہ کے لئے کھانا منگوایا۔ وہ کھانا لنگرخانہ والوں نے کسی کپڑے میں باندھ کر نہ بھیجا تھا۔ تب حضرت اقدس نے اپنے

---

[1] ذکر حبیب از مفتی محمد صادق صاحب ص ۳۲۷

عمامہ سے قریباً ایک گز کپڑا پھاڑ کر اس میں روٹی کو باندھ دیا۔[1]
اللہ اللہ کیا اخلاق ، انکساری اور عاجزی ہے۔ یہ وہ اخلاق تھے جو اس وقت کی خود پسند دُنیا سے غائب ہو چکے تھے۔

ساتھی کی تکلیف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اسلامی معاشرہ کے افراد کی مثال ایک جسم سے دی ہے کہ اگر ایک حصۂ جسم کو کوئی تکلیف پہنچے تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ اور سو نہیں سکتا۔

اپنے ساتھیوں سے آپ کی شفقت اور محبت کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ اپنے ساتھیوں کی تکلیف پر آپ کس طرح بے تاب ہو جاتے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی اہلیہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ جب مولوی صاحب بیمار ہوئے۔ اور کئی دن سے حضور کو دیکھ نہ سکے تو بعض اوقات نیم بے ہوشی کی حالت میں وہ رو پڑتے کہ میں نے اتنے دنوں سے حضور کو نہیں دیکھا تم مجھے حضرت صاحب کے پاس لے چلو۔ ایک دن جب ہوش تھی کہنے لگے حضرت صاحب سے کہیں میں مر چلا ہوں۔ مجھے صرف دُور سے کھڑے ہو کر اپنی زیارت کرا جائیں۔ ان کی اہلیہ محترمہ حضور کی خدمت میں آئیں کہ مولوی صاحب اس طرح کہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔

"کیا میرا دل مولوی صاحب سے ملنے کو نہیں چاہتا۔ مگر بات یہ ہے کہ ان کی تکلیف کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

---

[1] ذکرِ حبیب از مفتی محمد صادق صاحب ص۱۵۸۔

حضور کی حرم محترم بھی پاس ہی کھڑی تھیں انہوں نے کہا جب اُن کی اتنی خواہش ہے تو آپ کھڑے کھڑے ہو آئیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا اچھا مَیں جاتا ہوں۔ لیکن تم دیکھ لینا اُن کو دیکھ کر مجھے دَورہ ہو جائے گا۔ چنانچہ حضور تیار ہو کر گئے۔ مولوی صاحب کی اہلیہ نے جلدی جلدی جا کر مولوی صاحب کو اطلاع کی کہ حضور تشریف لا رہے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا تم نے حضور کو کیوں تکلیف دی۔ کیا مَیں نہیں جانتا کہ وہ کیوں تشریف نہیں لاتے۔ بیوی نے کہا آپ نے ہی تو کہا تھا۔ مولوی صاحب نے فرمایا وہ تو مَیں نے اپنے دل کا دکھڑا رویا تھا۔ جلدی جاؤ۔ حضور سے عرض کرو کہ آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ چنانچہ وہ الٹے پاؤں واپس ہوئیں۔ اور حضور سے کہا آپ تکلیف نہ فرمائیں۔

حضرت میاں بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب کے دَرد سے کراہنے کی آواز سے حضور بے تاب ہو جاتے تھے۔ اور کئی دفعہ باہر مجلس میں فرماتے مولوی صاحب کی ملاقات کو دل بہت چاہتا ہے۔ مگر مَیں آپ کی تکلیف نہیں دیکھ سکتا۔[1]

واضح رہے کہ حضرت مولوی صاحب کو کاربنکل کا پھوڑا نکل آیا تھا۔ جس کی وجہ سے بسا اوقات دَرد سے کراہنے کی آواز آتی۔

اپنے ساتھیوں سے آپ کی محبت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ جب آپ کے مخلص مرید صاحبزادہ عبداللطیف نے راہ خدا میں جاں سپاری کی بے مثال مثال پیش کی تو مولوی صاحب کے ایک

---

[1] سیرت المہدی حصہ اوّل صفحہ ۲۸۵۔

مریدنے ان کے کچھ بال لاکر حضور کی خدمت میں پیش کئے۔ حضور نے وہ بال ایک شیشی میں مشک ڈال کر اس میں رکھ دیئے اور شیشی کو سربمہر کر کے دھاگا باندھ کر بیت الدعا میں لٹکا دیا۔ اور پھر ایک کتاب لکھ کر صاحبزادہ عبداللطیف کو زندہ جاوید کر دیا۔ اللّٰھمّ ارحمہ واغفرہ و احسن مثواہ واعلیٰ درجاتہ فی علیین۔

اجنبیت کیوں

اور یہ سلوک کوئی صرف مفتی صاحب ہی سے نہ تھا۔ حضور کا ہر بے کس اور نیاز مند سے یہی سلوک تھا۔ حضرت بھائی عبدالرحمان صاحب قادیانی سابق ہریش چندر آف کنجروڑ دتّاں حضور کے دست حق پرست پر ہندو مذہب کو ترک کر کے مسلمان ہوئے تھے۔ قادیان میں اُن کا کوئی عزیز نہ تھا۔ وہ اصحاب صفّہ کی طرح اسی دَر کے ہو چکے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں حضور کے "الدار" کی پہرہ داری کرتا تھا۔ مکان کی کچھ تعمیر ہو رہی تھی۔ سردی کا موسم تھا۔ اور بستر میرا ہلکا۔ اوّل اوّل تو گذر ہو جاتی رہی مگر جب سردی بڑھ گئی۔ دوسری طرف دالان میں گچ کا پلستر ہُوا تو کمرہ زیادہ ٹھنڈا ہو گیا۔ ایک رات کا ذکر ہے سردی کی شدّت کے باعث مجھے رات بھر نیند نہ آئی۔ کروٹ لے لے کر یا بیٹھے رات گذاری۔ پچھلا پہر تھا کوئی دو بجے کا وقت ہو گا۔ جب تھک کر مَیں لیٹ گیا۔ ابھی چند ہی منٹ ہوئے کہ کھڑکی کھُلی اور سیدنا حضرت اقدس دالان میں داخل ہوئے۔ مگر مَیں خلاف معمول کھڑا ہو کر سلام عرض کرنے کی بجائے سکڑا چارپائی

پر پڑا رہا۔ پہلے عموماً میں کھڑکی کھلنے کی آہٹ پاتے ہی ہوشیار ہو کر اٹھ کھڑا ہوا کرتا تھا۔ آج غیر معمولی کوتاہی کی وجہ سے حضور کو توجہ ہوئی اور آپ نے میری چارپائی کے قریب ہو کر مجھے غور سے دیکھا اور آہستگی سے اپنی پوستین جو میری چارپائی کے اوپر کھونٹی پر لٹک رہی تھی اتار کر میرے اوپر ڈال دی۔ میں گم سم پڑا رہا۔ ہلا جُلا نہ بولا حضور تشریف لے گئے میں گرم ہوتے ہی گہری نیند سو گیا اور پھر صبح کی اذان ہی سے جاگا۔ وضو کیا اور نماز کے لیے مسجد جانے کے لئے تیار تھا کہ حضرت اقدس صبح کی نماز کے واسطے اس کھڑکی سے تشریف لے آئے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ حضور مسکراتے ہوئے میری طرف بڑھے اور فرمایا:۔

"میاں عبدالرحمٰن آپ نے تکلف کر کے تکلیف اٹھائی۔ بستر کم تھا تو کیوں ہمیں اطلاع نہ دی؟ شرط موت کی لگانا اور رنگ اجنبیت کا دکھانا ٹھیک نہیں۔ دو چار روز کی بات ہو تو اجنبیت انسان نباہ سکتا ہے۔ مگر عمر کی بازی لگا کر تکلف و اجنبیت میں پڑے رہنا باعث تکلیف ہوتا ہے۔ جب آپ نے گھر بار چھوڑا۔ ماں باپ چھوڑے۔ وطن اور قبیلہ چھوڑ کر ہمارے پاس آ گئے تو آپ کی ضروریات ہمارے ذمہ ہیں"۔

اور پھر صبح کی نماز پڑھتے ہی حضور نے حاجی حکیم فضل الدین صاحب کو یاد فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے تو فرمایا میاں عبدالرحمٰن کے پاس بستر نہیں اُن کو آج ہی بستر تیار کرا دیں ان کو ساتھ لے جائیں جیسا پسند کریں بنوا دیں۔ اور دو

جوڑے کپڑوں کے بھی بنوا دیں[1]

اللہ کے بندوں کا خدا کی مخلوق سے سلوک عدل سے بڑھ کر احسان کا ہوتا ہے کہ وہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ[2]

مرید کے بچے کا عقیقہ

حضور کے مخلص ارادتمندوں میں سے کچھ کپورتھلہ کے احباب تھے۔ جو ہر فرصت کے موقعہ پر قادیان ہوتے۔ حضور سفر میں ہوتے تو بعض اوقات ان کو وہیں اپنے پاس بلا لیتے۔ یہ مخلص جان نثار ملازمت کرتے تھے۔ گذارہ یہی معمولی تھا لیکن درحبیب پر حاضر ہو جاتے تو جب تک آقا اجازت نہ دے وہاں سے نہ ہلتے۔ ان کپورتھلہ کے مخلصین کو ہی حضور نے فرمایا تھا آپ آخرت میں میرے ساتھ ہوں گے[3] ان کے ساتھ حضور کی شفقت اور محبت بھی شفیق باپ کی طرح تھی۔

ان میں سے ایک مخلص منشی محمد عبد اللہ صاحب سنوری تھے۔ یہی وہ خوش قسمت ہیں جو سرخ سیاہی کے چھینٹوں کے نشان کے چشم دید گواہ ہیں۔ ہاں ہاں یہی وہ سعید بزرگ ہیں۔ جنہیں وہ کڑتا پہنا کر دفن کیا گیا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں اور حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی (والد محترم شیخ محمد احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت ہائے احمدیہ فیصل آباد) قادیان آئے ہوئے تھے۔ میں نے اُن کے لئے اور منشی صاحب نے میرے لئے جانے کی اجازت

---

[1] اصحاب احمد جلد پنجم حصہ سوم صفحہ ۲۴۷، ۲۴۸ [2] النحل آیت: ۹۱۔ [3] اصحاب احمد جلد ۴ صفحہ ۱۸

مانگی تو حضور نے فرمایا کہ ابھی نہ جائیں۔ اس دوران مجھے گھر سے لڑکے کی ولادت کا خط آیا۔ میں نے خط حضور کی خدمت میں پیش کر کے جانے کی اجازت چاہی۔ حضور نے فرمایا۔ اس غرض کے لئے جانا لازمی نہیں۔ آپ ساتویں دن ہمیں یاد دلادیں اور گھر خط لکھ دیں کہ ساتویں دن اس کے بال منڈوادیں۔ پھر ساتویں روز حضور نے دو بکرے منگوا کر میرے بچے کا عقیقہ کر دیا۔ اور فرمایا گھر خط لکھ دو۔[1]

کیا آج باپ کمانے والے بچے کے ان اخراجات کی ذمہ داری لیتا ہے۔ یقیناً حضور مصداق تھے اس حدیث کے کہ

"تمہارے بہتر امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں۔"

اپنا صافہ اتار کر دیدیا

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلہ سے قادیان آئے ہوئے تھے۔ عید آپہنچی۔ وہ صرف ایک پگڑی لے کر آئے تھے۔ وہ میلی ہو گئی۔ انہوں نے چاہا کہ بازار جا کر پگڑی خرید لائیں۔ چنانچہ وہ بازار کو چل دیئے۔ حضور کی نظر اُن پر پڑ گئی۔ دریافت فرمایا کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے عرض کی۔ عید کا دن ہے۔ میری پگڑی صاف نہیں ہے۔ میں بازار خریدنے جا رہا ہوں۔ حضور نے وہیں کھڑے اپنا عمامہ شریف اتار کر انہیں دے دیا اور فرمایا

---

[1] اصحاب احمد جلد ۴ صفحہ ۹۵۔

یہ آپ کو پسند ہے۔ آپ لے لیں۔ مَیں دوسرا باندھ لیتا ہوں۔

منشی صاحب فرماتے ہیں مجھ پر اس محبّت و شفقت کا جو اثر ہُوا الفاظ اُسے ادا نہیں کر سکتے۔[1]

دُوئی نہیں

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کو ہی ایک موقعہ پر حضور نے فرمایا تھا منشی صاحب ہم اور آپ کوئی دو ہیں؟[2]

بعض اوقات حضور ان کو اپنے ساتھ لحاف میں ہی سلا لیتے۔ وہ ایک دفعہ قادیان میں درد گردہ سے بیمار ہو گئے تو اپنے گھر ہیں رکھا۔ ایک بار سلا رمضان منشی صاحب کو قادیان میں رکھا اور منشی صاحب کی درخواست کے مطابق دونوں وقت اپنا بچا ہُوا کھانا اُن کے لئے بھیجتے رہے۔[3]

آپ کا ایثار

حضور کی شفقت اور محبّت کا تو یہ عالَم تھا کہ بسا اوقات وہ اپنے نفس پر اپنے صحابہ کو ترجیح دیتے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سچے مسلمانوں کا یہ وصف بیان کیا ہے۔ فرمایا "وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"[4]

---

[1] اصحاب احمد جلد ۴ صـ ۱۴۳ و ۱۴۴۔ [2] اصحاب احمد جلد ۴ صـ ۱۱۵

[3] اصحاب احمد جلد ۴ صـ ۱۳۴۔ [4]

کہ وہ اپنے نفس پہ دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ ان کو اپنے لئے ہی اس کی ضرورت ہو۔ اور یہ منزل اس سے آگے ہے کہ "مومن اپنے لئے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے بھائی کے لئے"

وزیر محمد خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ قادیان آئے ہوئے تھے۔ حضور اپنے صحابہ کے ساتھ باہر کھانا تناول فرما رہے تھے۔ اس کھانے میں حضرت مولوی نورالدین صاحب، مولوی عبدالکریم صاحب، اور مولوی محمد احسن صاحب اور میں شریک تھا۔ اُس وقت اندر سے قیمہ بھرے ہوئے کریلے بھجوائے گئے۔ حضور نے ایک ایک کریلا حضرت مولانا نورالدین صاحب۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب کے سامنے رکھدیا۔ اس کے بعد دو کریلے حضور کے سامنے رہے۔ مجھے یہ خیال آتا ہی تھا کہ شاید حضور میرے سامنے کوئی کریلا نہیں رکھیں گے۔ کہ حضور نے وہ دونوں کریلے اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیئے۔ میں نے بہت عرض کیا کہ ایک حضور بھی لے لیں مگر حضور نے نہ لینا تھا نہ لئے۔[1]

ایسا ہی ایک واقعہ اصحابِ احمد جلد چہارم میں درج ہے۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ حضور بوریئے پر بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر پلنگ اٹھا کر اندر لے گئے۔ میں نے اُٹھانا چاہا تو حضور نے فرمایا یہ زیادہ بھاری ہے آپ سے نہیں اُٹھے گا۔ فرمایا آپ پلنگ پر بیٹھ جائیں۔ مجھے یہاں نیچے زیادہ آرام معلوم ہوتا ہے۔ مجھے پیاس

---

[1] سیرت المہدی حصہ دوم ص۱۴۴۔

لگی تھی۔ مَیں نے گھڑے کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی پانی پینے کیلئے برتن نہ تھا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کیا آپ کو پیاس لگ رہی ہے۔ مَیں پانی لاتا ہوں نیچے زنانے میں جاکر آپ گلاس لے آئے۔ پھر فرمایا ذرا ٹھہریئے اور پھر نیچے گئے اور وہاں سے دو بوتلیں شربت کی لے آئے جو بمبئی پور سے کسی نے بھیجی تھیں۔ بہت لذیذ شربت تھا۔ فرمایا کہ ان بوتلوں کو رکھے ہوئے بہت دن ہوگئے کیونکہ ہم نے نیت کی تھی کہ پہلے کسی دوست کو پلا کر خود پئیں گے۔ آج مجھے یاد آگیا چنانچہ آپ نے گلاس میں شربت بنا کر مجھے دیا۔ مَیں نے کہا پہلے حضور اس میں سے تھوڑا سا پی لیں۔ تو پھر مَیں پیئونگا۔ آپ نے ایک گھونٹ پی کر مجھے دیدیا اور مَیں نے پی لیا۔ مَیں نے شربت کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک بوتل آپ لے جائیں اور ایک باہر دوستوں کو پلا دیں۔ آپ نے ان دونوں بوتلوں میں سے وہی ایک گھونٹ پیا ہوگا [1]

اپنا بستر بھی دے دیا

ابتدا میں مہمانوں کا کھانا حضور کے گھر سے ہی آتا۔ حضور ہر مہمان کی ضرورت کا خیال رکھتے اور ایسا بھی وقوع میں آیا کہ سردی کے موسم میں حضور نے مہمانوں کے لئے اپنا بستر باہر بھجوا دیا۔ اور خود بغیر بستر کے رات گذار دی۔

جلسہ سالانہ کا موقعہ تھا۔ بہت سے آدمی اپنے ساتھ بستر نہ لائے تھے مہمانوں کے لئے اندر سے بستر منگوانے شروع ہوئے۔ کارکن عشاء کے بعد حضور کی خدمت

---

[1] اصحاب احمد جلد ۲ صفحہ ۱۱۔

میں حاضر ہؤا تو کیا دیکھتا ہے حضور بغلوں میں ہاتھ دیئے بیٹھے ہیں۔ ایک صاحبزادہ لیٹا تھا۔ اُسے شتری چوغا اوڑھا رکھا تھا۔ معلوم ہؤا کہ آپ نے اپنا لحاف بھی مہمانوں کے لئے بھجوا دیا۔ میں نے عرض کی کہ حضور کے پاس کوئی کپڑا نہیں رہا۔ اور سردی بہت سخت ہے۔ فرمانے لگے مہمانوں کو تکلیف نہیں ہونی چاہیئے۔ اور ہمارا کیا ہے۔ رات گذر جائے گی۔ پھر وہ کسی سے لحاف مانگ کر اوپر لے گئے۔ تو حضور نے فرمایا کسی مہمان کو دیدو۔ مجھے تو اکثر نیند بھی نہیں آتی اور باوجود اصرار کے حضور نے وہ لحاف نہ لیا۔[1]

اس واقعہ سے آپ کے جذبہ اکرام ضیف، ایثار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ عرش کا خدا جس کی زمین کے پاتال پر بھی نظر ہے۔ وہ شکور آقا۔ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔ مکارم اخلاق جب دنیا سے ناپید ہوتے ہیں تو خدا کے جن بندوں سے انکا صدور ہوتا ہے خدا ان بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ امّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہی کہا تھا۔ اور جب حضرت ابو بکرؓ پر مکّہ والوں نے عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا اور آپ نے کہیں دوسری جگہ منتقل ہونے کا ارادہ کر لیا تھا تو ابن الدغنہ کافر سردار نے مشرکین کو یہی کہا تھا کہ کیا ایسے آدمی کو نکال رہے ہو جس سے اُن اعلیٰ اخلاق کا صدور ہو رہا ہے جو دُنیا سے ناپید ہو چکے تھے۔

نادار وغریب صحابہ پر شفقت

منشی گوہر علی صاحب جالندھر کے رہنے والے تھے۔ کپورتھلہ کے محکمہ ڈاک میں

[1] اصحاب احمد جلد ۲ صفحہ ۱۱۱

ملازم تھے۔ جب وہ ریٹائر ہوئے تو ۲½ روپے اُن کی پنشن مقرر ہوئی۔ گذارہ بہت تنگ تھا۔ ایک بار وہ قادیان کے لئے روانہ ہوئے۔ ان کا کرایہ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے ادا کر دیا۔ انہوں نے کرایہ ادا کرنا چاہا تو منشی صاحب نے انہیں کہا۔ یہ آپ حضور کی خدمت میں نذرانہ پیش کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے وہ دو روپے حضور کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کر دیئے۔ آٹھ دس دن رہ کر جب انہوں نے واپسی کی اجازت مانگی تو حضور نے اجازت مرحمت فرمائی اور فرمایا آپ ذرا ٹھہریں۔ اور آپ نے دس یا پندرہ روپے منشی صاحب کو لا کر دیئے۔ منشی صاحب رونے لگ گئے اور عرض کی مجھے خدمت کرنی چاہیئے یا میں حضور سے لوں۔ حضرت صاحب نے منشی ظفر احمد صاحب کو فرمایا یہ آپ کے دوست ہیں آپ انہیں سمجھائیں پھر میرے سمجھانے پر کہ ان میں برکت ہے انہوں نے لے لئے[1]

غریب کی دلجوئی

حضور کے ایک صحابی نظام دین صاحب لدھیانوی بہت غریب آدمی تھے۔ ایک دن مسجد مبارک کی چھت پر کھانا کھانے کے لئے احباب تشریف فرما تھے میاں نظام دین صاحب بھی ان میں بیٹھے تھے۔ اُن کے کپڑے بھی پھٹے تھے۔ اتنے میں کئی وہ آدمی جو بعد میں لاہوری جماعت میں شامل ہو گئے۔ آتے گئے اور حضور کے قریب بیٹھتے گئے۔ نظام دین صاحب حضور سے چار پانچ آدمی پرے بیٹھے

---

[1] اصحاب احمد جلد ۱۳ صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰۔

تھے۔ اُن اکابر کے آنے پر وہ اور پیچھے سرکتے گئے۔ حتیٰ کہ وہ جوتیوں کی جگہ تک پہنچ گئے۔ اتنے میں کھانا آیا تو حضور نے ایک سالن کا پیالہ اور کچھ روٹیاں ہاتھ میں اٹھا لیں اور میاں نظام الدین کو مخاطب ہو کر فرمایا آؤ میاں نظام دین صاحب ہم اور آپ اندر بیٹھ کر کھانا کھائیں۔ یہ فرما کر مسجد کے صحن کے ساتھ جو کوٹھری ہے اس میں تشریف لے گئے۔ اور حضور اور میاں نظام دین نے کوٹھری کے اندر ایک ہی پیالہ میں کھانا کھایا اور کوئی دوسرا دوست اندر نہ گیا۔ جو لوگ قریب آ کر بیٹھتے گئے تھے اب ان کے چہرے پر شرمندگی ظاہر تھی۔[1]

ایک غریب بوسیدہ لباس میں ملبوس جو جذبہ ادب و احترام یا احساس کمتری کے تحت پیچھے ہٹتا گیا، کو کس طرح حضور نے نوازا کہ اسے اپنے ساتھ بٹھایا اور اپنے پیالہ میں شریک کیا۔ یہ ہے احترام انسانیت۔ میں اس واقعہ کو پڑھتا ہوں تو زاہر رضؓ کا واقعہ یاد آتا ہے۔ پسینہ میں شرابور بازار میں مصروفِ عمل شفیق آقا صلی اللہ علیہ وسلم آتے ہیں۔ اُس کی پشت کی جانب سے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں جب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے پیار کرنے والا سوائے آمنہ کے لال کے اور کون ہو سکتا ہے تو اپنی پشت حضور کے بدن کے ساتھ سہلانا شروع کر دیتا ہے۔ اور جب حضور اس سے ناز و نیاز کرتے ہوئے یہ صدا بلند کرتے ہیں کہ میرا ایک غلام ہے بیچتا ہوں کون لے گا؟ تو وہ کہتا ہے یا رسول اللہ میرا خریدار کون ہو سکتا ہے تو آپ فرماتے ہیں تمہارا خریدار خود عرش کا خدا ہے۔[2] یہ کہہ کر آقا مدنی نے غریب مزدور زاہر کی بولی کتنی بڑھا دی۔ غریب ساتھیوں کو اقتدار اور طاقت کے وقت یہی

---

[1] اصحاب احمد جلد ۱۲ صفحہ ۱۲۱۔ [2] شمائل ترمذی باب ما جاء فی مزاح النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

برگزیدہ انسان یاد رکھتے ہیں۔ مکہ کی گلیوں میں جس بلالِ محمدؐ کی پشت پر کوڑے برستے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر جیحون مقام پر حضرت زبیرؓ کو جھنڈا نصب کرنے کا ارشاد فرمایا اور بلال سے کہا کہ خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دو۔

حضرت عمر فاروق کے سیرت نگاروں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک بار مدینہ میں گھی کی قلت ہو گئی۔ زیتون کا تیل کھا کھا کر حضرت عمرؓ کا پیٹ خراب ہو گیا۔ پیٹ سے گڑگڑ کی آواز آئی تو پیٹ پر ہاتھ رکھ کر آپ نے فرمایا۔ یاد رکھ جب تک عام مسلمانوں کو گھی میسر نہیں ہوگا۔ تجھے بھی گھی نہیں ملے گا[1]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں متعدد واقعات ایسے ہیں کہ اگر صحابہ فاقہ سے ہیں اور پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں تو آقائے نامدار کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اسی مکتب میں حضرت اقدس نے زانوئے تلمذ تہ کئے تھے۔

حضور کے مخلص مرید حضرت مولانا سرور شاہ صاحب جو بعد میں سلسلہ کے مفتی اور جامعہ احمدیہ کے پرنسپل مقرر ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ایک بار قادیان کے قصابوں نے کوئی شرارت کی۔ اس پر حضور نے حکم دیا کہ ان سے گوشت خریدنا بند کر دیا جائے۔ چنانچہ کئی دن تک گوشت نہ ملا اور سب لوگ دال سبزی پر گزارہ کرتے رہے ایک دفعہ میں نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ میرے پاس ایک بکری ہے۔ وہ میں حضور کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ حضور اسے ذبح کروا کے اس کا گوشت اپنے استعمال میں لا دیں۔ حضرت صاحب نے فرمایا مولوی صاحب! ہمارا

---

[1] بین یدی کا عمر ص۹۱

دل اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ہمارے دوست دالیں کھائیں اور ہمارے گھر میں گوشت پکے ؎

یہ تھا اسلامی معاشرہ جسے مامور زمانہ حضرت اقدس نے پھر قادیان میں قائم کیا۔ یہ وہ سلوک تھا جس کی بناء پر وہاں ہر شخص سو جان سے آپ پہ قربان تھا۔ وہ فاقے کاٹتے۔ سردیوں میں ٹھٹھرتے۔ لیکن اس دَر سے جدا نہ ہوتے تھے۔ دُنیا کا کوئی لالچ انہیں وہاں سے ہٹا نہ سکتا تھا۔ مشہور صحابی زیدؓ کے چچا جب انہیں تلاش کرتے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور زیدؓ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہا تو زیدؓ نے اس شفیق آقا کی غلامی کو اپنے ماں باپ اور وطن پہ ترجیح دی تھی کہ اُسے یہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے وجود میں باپ کی شفقت اور ماں کا پیار میّسر تھا۔

یہ وہ پیار اور شفقت تھا جس نے ہر شخص کو حضور کا فدائی اور گرویدہ کر لیا تھا۔ اگر مُرید سو جان ان پر نثار کرتے تھے تو وہ بھی اپنے جان نثاروں کو اولاد سے زیادہ عزیز جانتے تھے۔

مہمان کیلئے دُودھ

حضرت اقدس کے مریدوں میں سے ایک بڑے غریب مزاج مرید سیٹھی غلام نبی صاحب تھے جو رہنے والے تو چکوال ضلع جہلم کے تھے لیکن راولپنڈی میں دکان کرتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مَیں حضور کی ملاقات کے لئے قادیان

؎ سیرت سرور جلد ۵ حصّہ سوم ص ۲۰

آیا۔ سردی کا موسم تھا۔ اور ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ میں شام کے جھٹپٹے میں قادیان پہنچا۔ رات کو کھانا کھا کر لیٹ گیا۔ کافی رات گذر گئی کوئی بارہ بجے کا وقت ہوگا تو کسی نے میرے دروازے پر دستک کی۔ میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرا آقا ایک ہاتھ میں گرم دُودھ کا گلاس لئے اور دوسرے ہاتھ میں لالٹین تھامے کھڑے ہیں۔ میں حضور کو دیکھکر گھبرا گیا۔ مگر حضور نے بڑی شفقت سے فرمایا کہیں سے دُودھ آگیا تھا۔ میں نے کہا آپ کو دے آؤں۔ آپ یہ دودھ پی لیں۔ شاید آپ کو دُودھ کی عادت ہوگی۔ سیٹھی صاحب بیان کرتے ہیں۔ یہ منظر دیکھا تو آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے کہ اللہ اللہ کیا اخلاق ہیں۔ یہ خدا کا برگزیدہ اپنے ادنیٰ خادموں کی خدمت اور دل داری میں کیا کیا تکلیف اٹھاتا ہے[1]

حضور کے مخلص ساتھی حضرت مفتی محمد صادق صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں جب لاہور سے قادیان آیا کرتا تھا تو حضور مجھے عموماً صبح ہر روز پینے کے واسطے دُودھ بھیجا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجھے اندر بلایا۔ ایک لوٹا دُودھ کا بھرا ہُوا حضور کے ہاتھ میں تھا۔ اُس میں سے ایک بڑے گلاس میں حضور نے دودھ ڈالا اور کمال شفقت سے فرمایا۔ آپ یہ پی لیں میں پھر اَور دیتا ہوں۔ میں وہ گلاس والا دُودھ بھی ختم نہ کرسکا تو تبسم کرتے ہوئے فرمایا۔ بس آپ اتنا تھوڑا دُودھ پیتے ہیں[2]

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب بیان کرتے ہیں کہ مولوی محمد علی صاحب حضرت اقدس کے مکان کے ایک حصہ میں بالاخانہ میں رہتے تھے۔ جب تک اُن کی

---

[1] درِ منثور از حضرت میاں بشیر احمد صاحب ص۲۸۔ [2] سیرت المہدی حصہ دوم ص۱۳۵۔

شادی اور خانہ داری کا انتظام نہ ہوا تھا حضور خود صبح کے وقت گلاس میں دودھ ڈال کر اس میں مصری حل کر کے اہتمام سے ان کے لئے بھجواتے[1]

حضور مہمانوں کے بارہ میں دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کسی کو خاص چیز کی عادت تو نہیں۔ فلاں مہمان کو کیا پسند ہے[2] اور پھر اس کے مطابق کھانا تیار کرواتے[3] آپ خادم کو فرماتے خواہ کسی مہمان کو تم پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔ سب کو واجب الاکرام جان کر ان کی تواضع کرو کسی مہمان کو تکلیف نہ ہو[4]

رمضان کے ایام میں سحری کے وقت مہمانوں کے لئے پراٹھوں کا اہتمام کرنے کا ارشاد فرماتے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے دو شخص منی پور آسام سے آئے۔ مہمان خانہ پہنچے تو انہوں نے خادموں سے کہا ہمارے بستر تانگے سے اتارے جائیں۔ اور سامان لایا جائے۔ چارپائیاں بچھائیں۔ خادموں نے کہا آپ اپنا اسباب فوراً اتاریں۔ چارپائیاں بھی مل جائیں گی۔ دونوں مہمان اس پر رنجیدہ ہو گئے۔ اور یکے والے کو واپس چلنے کے لئے کہا اور وہ تانگہ میں سوار ہو کر واپس چل دیئے۔ حضور کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو اُن کے پیچھے چل دیئے۔ اور کچھ خدام بھی حضور کے ساتھ تھے۔ نہر کے پُل پر جو قادیان سے قریباً ڈیڑھ میل کے قریب تھی آپ نے یکّہ کو جا لیا۔ انہوں نے جو حضور کو دیکھا تو تانگہ سے اُتر پڑے۔ حضور نے انہیں واپس

---

[1] سیرت المہدی حصہ دوم ص۵۹۔ [2] سیرت المہدی حصہ دوم ص۱۳۵۔
[3] سیرت ظفر روایت ۸۱ ص۱۲۰۔ [4]۔ ذکر حبیب ص۱۹۵۔

چلنے لے لئے کہا اور فرمایا مجھے آپ کے واپس ہونے کا بہت درد پہنچا۔ وہ حضور کے اس تعلق کو دیکھکر اتنے شرمندہ تھے کہ پھر حضور کے کہنے کے باوجود تانگہ پر سوار نہ ہوئے۔ اور حضور کے ساتھ پیدل واپس ہوئے۔ مہمان خانہ پہنچ کر حضور نے ان کے بستر اتارنے کے لئے خود ہاتھ بڑھایا مگر خادموں نے آگے بڑھ کر بستر اتارے۔ حضور نے اسی وقت دو نواری پلنگ منگوائے۔ اُن کے بستر کروائے۔ اور ان سے دریافت فرمایا آپ کیا کھائیں گے۔ پھر خود ہی فرمایا اُدھر چاول زیادہ کھاتے ہیں۔ کھانا منگوایا اور جب تک کھانا نہ آیا آپ وہیں ٹھہرے رہے۔ رات کو دُودھ بھجوایا۔ اس کے بعد فرمایا جو شخص اتنی دُور سے آتا ہے۔ راستہ کی تکالیف اور صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ یہاں پہنچ کر وہ سمجھتا ہے کہ اب میں منزل پہ پہنچ گیا ہوں۔ اگر یہاں آکر بھی اس کو وہی تکلیف ہو تو یقیناً اس کی دل شکنی ہوگی۔ جب وہ واپس ہوئے تو صبح کا وقت تھا۔ حضور نے دو گلاس دُودھ کے ان کے لئے منگوائے اور فرمایا اسے پی لیجئے اور پھر بنفس نفیس پیدل نہر تک اُن کو چھوڑنے کے لئے حضور تشریف لے گئے۔[1]

مولوی عبداللہ صاحب سنوری بیان کرتے ہیں ایک دفعہ حضور بیت الفکر میں تشریف فرما تھے۔ میں پاؤں دبا رہا تھا کہ کھڑکی پر شرمپت یا لالہ ملاوامل نے دستک دی۔ میں اُٹھ کر کھڑکی کھولنے لگا۔ مگر حضور بڑی جلدی سے اُٹھے اور تیزی سے جاکر زنجیر کھول دی اور پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور فرمایا یہ ہمارے مہمان ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مہمان کا اکرام کرنا چاہیئے۔

---

[1] سیرت ظفر روایت ۔۔۔ ص ۔۔) ۔ [2] سیرت المہدی ص ۲۷ حصہ دوم۔

حضرت مولوی حسن علی صاحب بیان کرتے ہیں۔ مَیں قادیان آیا مجھے پان کی عادت تھی۔ راستہ میں بھی پان نہ مِلا تھا۔ نجانے حضرت صاحب کو کس طرح علم ہُوا۔ اگلے روز کھانے پر پان موجود تھا۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ حضور نے گورداسپور سے میرے لئے پان منگوایا ہے۔ گورداسپور قادیان سے بارہ میل کے فاصلہ پر تھا۔

جن کو ماں کی ماتما اور باپ کی محبّت نصیب ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ ماں خود کھاتی نہیں۔ جب تک اس کے بچے نہ کھالیں۔ اور یہ خدا کے بندے مخلوق سے شفیق ماں اور باپ ہی کی طرح محبت کرتے ہیں۔

آقا خادم کا پہریدار

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کا ذکر کتاب میں کئی جگہ آچکا ہے۔ انہیں حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی قربت کی صحبت کا بہت لمبا موقع نصیب ہُوا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ گرمی کا موسم تھا اور حضور کے اہلِ خانہ لدھیانہ گئے ہوئے تھے۔ میں حضور کی خدمت میں اندرونِ خانہ حاضر ہُوا۔ کمرہ نیا نیا بنا تھا۔ اس لئے ٹھنڈا تھا۔ حضور ٹہل کر کوئی تصنیف فرما رہے تھے۔ مَیں ایک چارپائی پر لیٹ گیا۔ اور میری آنکھ لگ گئی۔ جب مَیں چونک کر جاگا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت اقدس میری چارپائی کے پاس نیچے فرش پر لیٹے ہوئے ہیں۔ مَیں گھبرا کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔ حضور نے بڑی محبت سے پوچھا مولوی صاحب! آپ کیوں اُٹھ بیٹھے۔ مَیں نے عرض کیا حضور نیچے لیٹے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت

میں مَیں اوپر کیسے سو سکتا ہوں۔ حضور مسکرائے اور فرمایا آپ بے تکلفی سے لیٹے رہیں۔ مَیں آپ کا پہرہ دے رہا تھا۔ بچے شور کرتے تھے تو مَیں انہیں روکتا تھا تاکہ آپ کی نیند میں خلل نہ آئے[1]

یہ انداز محبت وشفقت مادرِ مہربان کا ہی ہو سکتا ہے جو اپنے بچوں کی خاطر خود تکلیف اٹھاتی ہے لیکن انہیں آرام پہنچاتی ہے کہ اسے انہیں چین و آرام پہنچا کر ہی چین نصیب ہوتا ہے۔ وہ اپنا آرام تیاگ کر اُن کو آرام پہنچاتی ہے۔

محنت اور مشقت پسندی

دینی اَمر ہو یا دُنیاوی۔ دونوں میں کامیابی کے لئے محنت درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے یٰاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ ۔ (الانشقاق آیت: ۷) کہ اے انسان خدا کے قرب کے لئے تجھے شدید کوشش اور محنت کرنا ہوگی۔

دوسری جگہ فرمایا وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۙ وَ اَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی ۔ (النجم آیت ۴۰، ۴۱) کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ اور اس کو اس کی کوشش کا ثمرہ ضرور ملتا ہے۔

حدیث میں رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المومن یموت بعرق جبین کہ مومن ایسی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے کہ اس کی پیشانی عرق آلودہ ہوتی ہے۔ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ دم واپسی عرق سے پیشانی تر ہوتی ہے۔ یعنی اپنے کسی عمل پر ناز نہیں۔ کبر و غرور نہیں۔

---

[1] سیرت حضرت اقدس از مولانا عبدالکریم صاحب و اصحاب احمد۔

بلکہ ندامت کا احساس ہے۔ جیسے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بوقت وفات کہتے تھے۔ اللّٰھمّ لَا لِی وَلا عَلَیّ۔ اللہ مجھے برابر برابر ہی چھوڑ دے۔ نہ میرا تیرے ذمہ کچھ ہے نہ میرا تیرے ذمہ کچھ نکلے۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب یہ آیت پڑھتے۔ یقول الکافر یٰلیتنی کنت ترابًا۔ (النبا، آیت ۴۱) کہ کافر کہے گا اے کاش میں مٹی ہوتا۔ تو زار زار روتے۔ آپ نے ایک پرندہ کو دیکھا وہ درخت سے پھل کاٹ کاٹ کر زمین پر پھینک رہا تھا فرمایا اے کاش میں پرندہ ہوتا۔ میرا حساب کتاب نہ ہوتا۔ کاش میں درخت کا پھل ہوتا پرندہ آتا کچھ کھا جاتا کچھ نیچے پھینک دیتا[1]۔ صدیق اکبر کی صاحبزادی اُمّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اے کاش میں گھاس ہوتی کاٹ کر پھینک دی جاتی۔ میرا حساب کتاب نہ ہوتا۔ حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں۔ کاش میں درخت ہوتا کاٹ کر پھینک دیا جاتا۔

اس حدیث کے دوسرے معنے میرے نزدیک یہ بھی ہیں کہ مومن موت تک محنت کرتا ہے۔ وہ بیکار نہیں بیٹھتا۔ وہ تن آسان نہیں ہوتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے سیرت نگاروں نے آپ کے لیل و نہار کو ضبطِ تحریر کیا ہے کہ تہجد کی نماز سے عشا تک آپ کس قدر معمور الاوقات تھے۔ دن یا رات کا کوئی لمحہ خدا کی یاد سے غافل نہیں اور کوئی وقت بیکار نہیں[2]۔ عالم کی اصلاح کے لئے جو آیا تھا وہ ہمیں سفر و حضر میں اپنے ہاتھ سے کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک سفر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی محبت اور اخلاص کی وجہ سے کہا کہ حضورؐ آپ

---

[1] کنز العمال جلد ۱۱ ص ۲۴۴۔ [2] شمائل ترمذی۔

کام نہ کریں۔ تو آپ نے فرمایا نہ میں تم سے ضعیف ہوں نہ مجھے ثواب کے حصول کی خواہش کم ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک غزوہ میں جب ایک جگہ پڑاؤ کیا تو صحابہ کی مختلف ٹولیاں بنادی گئیں۔ ہر ایک کے ذمّہ الگ الگ کام سپرد کیا گیا۔ حضورؐ صلے اللہ علیہ وسلّم جس حزب میں تھے اُن کے ذمّہ جنگل سے لکڑیاں لانا تھا۔ آپؐ بھی اُن کے ساتھ ہولئے۔ تو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ آپ ایسا نہ کیجئے ہم خدمت کیلئے حاضر ہیں۔ اس موقعہ پر آپ نے فرمایا۔ نہ میں تم سے ضعیف ہوں۔ نہ مجھے حصولِ ثواب کی خواہش تم سے کم ہے۔ گھر میں تشریف لاتے تو کام کاج میں بیویوں کا ہاتھ بٹاتے۔ اپنے چھوٹے موٹے کام خود کر لیتے۔ پھٹا کپڑا، جوتا خود سی لیتے۔ بکریوں کا دودھ دوہ لیتے[1]۔

حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ سخت جفاکش اور محنتی تھے۔ آپ بہت معمور الاوقات تھے۔ آپ کی تصنیفات کا یہ حال ہے کہ اٹھارہ سو اسّی ۱۸۸۰ء میں آپ نے پہلی کتاب براہین احمدیہ تصنیف فرمائی۔ ۱۹۰۸ء میں آپ کا وصال ہوا۔ ان اٹھائیس سال میں آپ نے اسّی ۸۰ سے اوپر کتب تصنیف فرمائیں اس میں اردو حصّہ بڑی تقطیع کے آٹھ ہزار چار سو چھپن صفحات پر مشتمل ہے جبکہ عربی حصّہ دو ہزار آٹھ سو دو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً جو ارشاد آپ مجلس میں خود فرماتے۔ وہ دس جلدوں میں ملفوظات کے نام سے چھپے ہیں۔ یہ چار ہزار پانچ سو پندرہ صفحات پر مشتمل ہیں اڑھائی سو آپ نے اشتہارات شائع فرمائے جو تبلیغ رسالت کے نام سے موسوم ہیں۔ یہ تین جلدوں میں پندرہ سو چھپن صفحات پر مشتمل ہیں۔ آخری کتاب پیغام صلح جو دراصل ایک لیکچر تھا۔

---

[1] ادب المفرد باب مایعمل الرجل فی بیتہٖ

جو آپ کی وفات کے بعد پڑھا گیا۔ یہ مضمون حضور نے اپنی وفات سے دو روز قبل مکمل فرمایا۔

یہ تصنیفات ایسی حالت میں تالیف کیں کہ بجلی کی سہولت مفقود تھی چھت کا ایسا پنکھا بھی نہ تھا کہ کوئی خادم اُسے ہلاتا رہتا۔ ایک بار کسی نے عرض کیا حضور آپ پہاڑ پر کیوں تشریف نہیں لے جاتے کہ تصنیف آرام سے فرما سکیں۔

فرمایا ہم تو چاہتے ہیں کہ تیل نکل رہا ہو اور ہم کام کر رہے ہوں[1]۔ اس حالت میں بھی آپ کو تصنیف کا کام کرتے دیکھا گیا کہ مکان کے ایک طرف طاقچہ میں ایک دوات ہے اور دوسری دوات طاقچہ میں دوسری طرف۔ آپ لکھتے لکھتے اس طرف جاتے تو دوات میں قلم ڈبو لیتے اُدھر جاتے تو ادھر سے قلم کے لئے روشنائی لے لیتے[2]۔ گھر میں بچے کھیل کود رہے ہیں۔ شور ہو رہا ہے لیکن تصنیف کا کام جاری ہے۔ آپ فرماتے تھے جب کوئی دینی کام آپڑے تو مَیں اپنے اوپر کھانا پینا اور سونا حرام کر لیتا ہوں جب تک کہ وہ کام نہ ہو جائے[3]۔

چونکہ آپ ایک دُور افتادہ گاؤں میں قیام پذیر تھے۔ اس لئے اردگرد کے نادار لوگوں کے لئے دوائیاں تیار کرواتے ہیں۔ اور پھر خود آنے والے مریضوں کی خدمت کے لئے کمربستہ ہیں۔ بعض اوقات تین تین گھنٹے تک یہ عمل جاری رہا۔ ایک بار حضرت مولوی عبدالکریم نے کہا۔ حضور یہ تو بڑی زحمت کا کام ہے۔ فرمایا یہ بھی تو ویسا ہی دینی کام ہے۔ یہ مسکین لوگ ہیں۔ یہ بڑا ثواب کا کام ہے۔ ان کاموں میں سستی اور بے پرواہ نہیں ہونا چاہیئے[4]۔ آپ فرمایا کرتے ہمارے دو بڑے اصول ہیں خدا کے ساتھ تعلق اور ہمدردی خلائق[5]۔ خدا کی رضا کے حصول کے لئے آپ نے انوار سماوی کے نزول سے پہلے آٹھ نو ماہ

---

[1] سیرت المہدی حصہ دوم ص ۱۳۲۔ [2] ذکر حبیب مفتی محمد صادق صاحب ص ۳۲۔ [3] سیرت المہدی ص ۲۵۔
[4] سیرت حضرت اقدس از مولانا عبدالکریم صاحب ص ۲۲۔ [5] ذکر حبیب مفتی صاحب ص ۱۸۱۔

کے روزے رکھے اور بڑا سخت مجاہدہ کیا۔ اس کا ذکر آپ نے اپنی کتاب البریہ میں فرمایا۔
روزانہ خوراک چند لقموں تک رہ گئی (کتاب البریہ حاشیہ صفحہ ۱۶۴ تا ۱۶۵ و سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۵)

آپ کے کثرت مطالعہ کا یہ حال تھا کہ آپ کے بیٹے مرزا سلطان احمد صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بیان کرتے ہیں کہ سارا سارا دن آپ الگ بیٹھے پڑھتے رہتے تھے۔ ارد گرد کتابوں کا ڈھیر لگا رہتا تھا۔ شام کو آپ قادیان سے باہر سیر کیلئے تشریف لے جاتے (سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۱۹۹)
خاکروب صفائی کے لئے گھر میں آیا گھر میں کوئی اور آدمی نہیں تو بعض اوقات خود گھر کی نالیوں میں فینائل گرا رہے ہیں۔

جوانی میں آپ ورزش کی خاطر مونگریاں بھی پھیرا کرتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ روزانہ کئی میل تک تیز پیدل چلتے۔ کبھی صبح بھی سیر کے لئے تشریف لے جاتے (سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۱۴)
ایک بار بٹالہ تشریف لے گئے جو قادیان سے بارہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ خادم اور گھوڑا ساتھ ہوتا تو خادم کو گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے فرماتے اور آپ بٹالہ تک پیدل ہی سفر طے کر لیتے۔ خادم نے عرض کیا حضور مجھے شرم آتی ہے فرمایا ہم کو پیدل چلتے شرم نہیں آتی تم کو سوار ہوتے کیوں شرم آتی ہے [1] ان دنوں بٹالہ تک سڑک کچی تھی۔ عموماً یکوں میں لوگ سفر کرتے۔ ایک بار آپ نے یکہ کرایا۔ یکہ والے کو اور سواریاں مل گئیں وہ سواریاں لے کر بٹالہ روانہ ہو گیا۔ آپ بٹالہ پیدل ہی روانہ ہو گئے مگر کسی نے یکہ والے کو برا بھلا کہا تو فرمایا میری خاطر وہ کیسے بیٹھا رہتا اسے مزدوری مل گئی وہ چلا گیا۔[2]

سیالکوٹ کے قیام کے زمانہ میں آپ کو معلوم ہوا کہ ایک سکھ بلا سنگھ نامی کہتا ہے کہ میں دوڑ میں سب پر سبقت رکھتا ہوں۔ آپکی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ ایک غیر مسلم چیلنج کرے اور اسکے مقابل کوئی نہ آئے۔ آپ نے فرمایا میرے ساتھ دوڑ لے تو ثابت ہو جائے گا کہ کون سبقت لے جاتا ہے۔ شیخ اللہ داد منصف مقرر ہوئے۔

---

[1] الحکم مئی ۱۹۳۴ء و تبرکات حضرت اقدس مصنفہ حضرت مصلح موعود۔ [2] الحکم سیرت حضرت اقدس نمبر مئی جون ۱۹۴۳ء۔

دوڑ کیلئے جگہ اور وقت مقرر ہوا. جب مقابلہ ہوا تو حضور اس سکھ پر سبقت لے گئے[1]. راقم الحروف سیالکوٹ گیا تو مکرم بابو قاسم دین صاحب نے وہ پل دکھایا جو دوڑ کیلئے حد مقرر ہوا تھا۔ وہ کمرہ بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا جس میں حضور نے قیام فرمایا تھا. اور وہ جگہ بھی جہاں اُن مقدسین کی مبارک اور پاکیزہ مجلسیں قائم ہوئی تھیں. اس وقت ایک دوست نے یہ مشہور شعر پڑھا اور پھر اُن گلی کوچوں میں یہی شعر وردِ زبان رہا۔

ہر راہ کو دیکھا ہے محبت کی نظر سے
شائد کہ وہ گذرے ہوں اس راہ گذر سے

اہل وعیال سے حُسنِ معاشرت

انسان کی سیرت کا ایک اہم پہلو اہل وعیال سے اس کا سلوک ہے. اگر کسی کی انجمن میں جلوت کی زندگی کے بارہ میں لوگوں کی رائے بہت اچھی ہے تو اس کی سیرت کا یہ پہلو بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کہ خلوت یعنی گھریلو زندگی میں اس کی سیرت و کردار کیا ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ صنف نازک سے حُسن سلوک کرو. فرمایا وعاشروھن بالمعروف[2] شارع علیہ السّلام کا ارشاد ہے. خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی[3] تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال سے بہتر سلوک کرتا ہے اور مَیں تم میں سے اپنے اہل سے سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہوں. اولاد کے بارہ میں فرمایا اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ

---

[1] سیرت المہدی حصّہ اوّل طبع ثانی صفحہ ۲۷ رمضان ۲

[2] سیرت حضرت اقدس از مولانا عبدالکریم صاحب صفحہ ۲۶. سورۃ

[3] ترمذی ابواب المناقب باب فی فضل ازواج النبی و ترمذی ابواب النکاح۔

اپنی اولاد کا احترام کرو۔ بچیوں کے بارہ میں فرمایا جس شخص نے اپنی بچیوں کی اچھی تربیت کی میں اُن کے لئے جنّت کا ضامن ہوں[۱]

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب حضرت اقدس کے بہت قریبی مخلصین میں سے تھے اور اپنے اہل کے ساتھ حضور کے گھر کے اوپر چوبارہ میں رہتے تھے۔ حضور کی اہلی زندگی کے بارہ میں انہوں نے اپنی کتاب سیرت حضرت اقدس میں آپ کی زندگی کے اس پہلو پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ دس برس سے بڑی غور اور نکتہ چینی کی نگاہ سے آپ کی سیرت کا مطالعہ کر کے کہتا ہوں کہ حضور کی طبیعت میں اعتراض نکتہ چینی اور حرف گیری اور چڑچڑا پن نہیں۔ آپ کی گھریلو زندگی بہشت کی زندگی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

" اس بات کو اندرون خانہ کی خدمت گار عورتیں جو عوام الناس سے ہیں اور فطری سادگی اور انسانی جامہ کے سوا کوئی تکلف اور تصنع کی زیرکی اور استنباطی قوت نہیں رکھتیں۔ بہت عُمدہ طرح سے محسوس کرتی ہیں۔ وہ تعجب سے دیکھتی ہیں اور زمانہ اور اپنے گردوپیش کے عام عُرف اور برتاؤ کے بالکل برخلاف دیکھ کر بڑے تعجب سے کہتی ہیں اور میں نے بار ہا انہیں خود حیرت سے یہ کہتے ہوئے سُنا ہے۔ " مرجا بیوی دی گل بڑی مندا ہے "۔ ایک دن خود حضور فرماتے تھے کہ فحشا کے سوا باقی تمام کج خلقیاں اور تلخیاں عورت کی برداشت کرنی چاہئیں۔ اور فرمایا " ہمیں تو کمال بے شرمی معلوم

---

[۱] ادب المفرد من آل جاریتین او واحدۃ۔

ہوتی ہے کہ مرد ہو کر عورت سے جنگ کریں۔ ہم کو خدا نے مرد بنایا
اور یہ درحقیقت ہم پر اتمام نعمت ہے اس کا شکر یہ ہے کہ عورتوں
سے لطف اور نرمی کا برتاؤ کریں۔ ایک دفعہ ایک دوست کی
درشت مزاجی اور بدزبانی کا ذکر ہوا کہ وہ اپنی بیوی سے سختی
سے پیش آتا ہے۔ حضرت اس بات سے بہت کشیدہ خاطر ہوئے اور
فرمایا ہمارے احباب کو ایسا نہ ہونا چاہیئے۔"[1]

ایک بار آپ کے احباب باہم یہ گفتگو کر رہے تھے کہ حضور کا کام بہت نازک ہے۔ آپ کے سر پر بھاری فرائض کا بوجھ ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ صحت کا خیال رکھیں۔ آپ کے لئے خاص مقوی غذا لازماً ہر روز تیار ہونی چاہیئے۔ حضور نے سُنا تو فرمایا "ہاں بات تو درست ہے اور ہم نے کبھی کبھی کہا بھی ہے۔ مگر عورتیں اپنے دھندوں میں کچھ ایسی مصروف ہوتی ہیں کہ اَور باتوں کی چنداں پروا نہیں کرتیں۔" اس پر مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے مرید منشی عبدالحق صاحب نے کہا۔ اجی حضرت آپ ڈانٹ ڈپٹ کر نہیں کہتے اور رُعب پیدا نہیں کرتے میرا تو یہ حال ہے کہ میں کھانے کے لئے خاص اہتمام کیا کرتا ہوں۔ اور یہ ممکن نہیں کہ میرا حکم کبھی ٹل جائے۔ اور میرے کھانے کے اہتمامِ خاص میں کوئی سرِ مُو فرق آئے۔ ورنہ ہم دوسری طرح اس کی خبر لیں۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب لکھتے ہیں کہ یہ بات بظاہر میرے آقا کے حق میں تھی۔ اس لئے میں اس پر خوش ہوا اور بول اٹھا۔ ہاں حضور! منشی صاحب

---

[1] سیرت حضرت اقدس صـ۳۸۲۔

درست فرماتے ہیں حضور کو بھی چاہیئے کہ درشتی سے یہ امر منوائیں۔ حضرت نے میری طرف دیکھا اور تبسم سے فرمایا "ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہیئے۔" مولوی صاحب فرماتے ہیں میں سخت شرمندہ ہوا کہ میں نے کیوں اس نرم خُو صوفی کی تائید کی[۱] اور پھر حضور دیر تک عورتوں سے حُسنِ معاشرت کے بارہ میں نصائح فرماتے رہے۔ آپ نے فرمایا:-

"میرا یہ حال ہے کہ ایک دفعہ میں نے اپنی بیوی پر آوازہ کسا تھا اور میں محسوس کرتا تھا کہ وہ بانگ بلند دل کے رنج سے ملی ہوئی ہے اور بایں ہمہ کوئی دلآزار اور درشت کلمہ منہ سے نہیں نکالا تھا۔ اس کے بعد میں بہت دیر تک استغفار کرتا رہا اور بڑے خشوع و خضوع سے نفلیں پڑھیں اور کچھ صدقہ بھی دیا کہ یہ درشتی زوجہ پر کسی پنہانی معصیت الٰہی کا نتیجہ ہے[۲]

گھریلو زندگی میں جب اس طرح باہم احترام و اعتماد ہو تو گھر مثلِ جنت بن جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے مرض الموت میں جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے فرمایا تم میں سے اگلے جہان میں مجھے سب سے پہلے وہ ملے گی جو لمبے ہاتھوں والی ہے تو ازواج مطہرات باہم ہاتھ ناپتی تھیں کہ کون وہ خوش قسمت ہے حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے مرض الموت کا بھی ایسا ہی واقعہ تاریخ احمدیت نے محفوظ کیا ہے۔ لاہور میں جب آپ کی حرم محترم سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ نے محسوس کیا کہ حضور ہمیں چھوڑ کر اپنے مالکِ حقیقی کے بلاوے پر لبیک کہہ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا:-

---

[۱] سیرت حضرت اقدس صفحہ ۱۵۔ [۲] ایضاً صفحہ ۱۶

"خدایا ان کی زندگی دین کی خدمت دین میں خرچ ہوتی ہے۔ تو میری زندگی بھی اُن کو عطا کر دے۔" [1]

حدیث میں آتا ہے خدا کے راستباز بندے حضرت سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم جن کا رات دن ذکر الٰہی، عبادت اور خدمتِ دین میں صرف ہوتا۔ کبھی رات کی تنہائیوں میں اپنی بیویوں کو سبق آموز اور اُن کی دلجوئی کے لئے کہانی سناتے نظر آتے ہیں۔ آپ دس سہیلیوں کی اپنے خاوندوں کے بارہ میں آراء سُنا رہے ہیں۔ اور پھر جس سہیلی نے اپنے خاوند کی بہت عمدہ تعریف کی آپ نے فرمایا: میں تمہارے لئے اسی طرح ہوں [2]

اسی طرح حضرت اقدس گھریلو زندگی میں کبھی ہمیں اپنے بچوں میں بیٹھ کر سچی اور سبق آموز کہانیاں سُناتے نظر آتے ہیں۔ کبھی دس محرم کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی کا ذکر فرما رہے ہیں تو کبھی حدیث میں وارد ایک گنجے اور اندھے کی کہانی کا ذکر فرماتے سنائی دیتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کا شکر اس کی نعمت کو بڑھاتا ہے۔ اور ناشکری سلب نعمت کا موجب بن جاتی ہے۔

۱۹۰۷ء میں آپ کی زوجہ محترمہ کسی کام کی وجہ سے لاہور تشریف لے گئیں جس دن انہوں نے آنا تھا آپ اُن کے استقبال کے لئے بٹالہ تک تشریف لے گئے۔ حضور پالکی میں روانہ ہوئے۔ قادیان سے نکل کر آپ نے قرآن شریف کھول کر سامنے رکھ لیا اور سورۃ فاتحہ پر غور فرماتے رہے۔ جب آپ بٹالہ تشریف لے گئے تو گاڑی آچکی تھی حضرت اماں جان آپ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ ان کو تلاش کر رہے تھے کہ آن کی نظر

---

[1] سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۸۱ ۔ [2] ترمذی ابواب الشمائل۔

آپ پر پہلے پڑی اور انہوں نے محمود کے ابا کہہ کر آواز دی۔ آپ آگے بڑھے اور اُن سے مصافحہ لیا[1]

حضرت مولانا نورالدین صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک بار آپ کسی سفر میں تھے آپ کی زوجہ محترمہ بھی ساتھ تھیں۔ گاڑی آنے میں ابھی دیر تھی آپ اُن کے ساتھ پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگ گئے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی طبیعت ذرا جوشیلی تھی۔ وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ غیر لوگ اِدھر اُدھر پھرتے ہیں آپ حضرت صاحب سے عرض کریں کہ بیوی صاحبہ کو الگ بٹھا دیں۔ مولانا نورالدین نے فرمایا میں تو نہیں کہتا۔ آپ کہہ کر دیکھ لیں۔ چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب آگے بڑھے اور عرض کیا۔ حضور بہت لوگ ہیں۔ بیوی صاحبہ کو الگ ایک جگہ بٹھا دیں حضور نے فرمایا۔ جاؤ جی! میں ایسے پردہ کا قائل نہیں[2] ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے فرمایا لوگ کیا لیں گے کہ بیوی کے ساتھ ٹہلتے ہیں۔

پردہ میں افراط و تفریط دونوں مناسب نہیں اور خدا کے محبوب بندے ریاکاری نہیں کرتے۔ وہ بلا خوف لومۃ لائم شریعت پر عمل کرتے ہیں اس پر مجھے اسوہ حسنہ فخر موجودات صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ واقعہ یاد آیا جس میں آپؐ نے حضرت عائشہ سے دو بار دوڑ میں مقابلہ فرمایا پہلی بار حضرت عائشہ سبقت لے گئیں۔ دوسری بار آپ سبقت لے گئے۔ فرمایا عائشہ تلک بتلک کہ یہ اس کا بدلہ ہے بازی اُتر گئی۔ اور یہاں رفیقہ حیات کا اعزاز و احترام دیکھیے کہ حضور ایک منزل آگے بڑھ کر اُن کا استقبال کرتے ہیں یہ تھی آپ کی حسن معاشرت۔ اور یہ ہے باہمی احترام

سیرت حضرت اقدس از عرفانی صاحب حصہ اول ص۱۰۶ [1] ۔ [2] سیرت المہدی حصہ اول ص۶۳۔

یہ جان کر کہ حضرت اقدس کو گڑ کے چاول پسند ہیں۔ حضرت اماں جان نے گڑ کے چاول بنائے۔ لیکن وہ کچھ ٹھیک طور پر نہ پکے۔ آپ چولہے کے پاس افسردہ بیٹھی تھیں کہ حضور نے دریافت فرمایا کیا معاملہ ہے انہوں نے کہا آپ کے لئے گڑ کے میٹھے چاول پکائے تھے۔ لیکن خراب ہو گئے آپ نے فرمایا دکھاؤ۔ انہوں نے کچھ پلیٹ میں ڈال کر پیش کئے تو فرمایا بہت اچھے ہیں۔ ہمیں ایسے ہی پسند ہیں۔

سیدہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔[1]

یہ ان کا طریق ہوتا ہے جنہیں ہی دنیا اور اس کی لذتوں سے کوئی سروکار نہیں۔ ان کی تمام تر توجہ آخرت و فکر فردا ہوتی ہے۔ مل گیا تو کھالیا۔ نہیں ملا تو کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کوئی شور و شغب نہیں۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب فرماتے ہیں :۔

"کبھی کبھی جو لکھنے یا توجہ الی اللہ سے نزول کیا ہے تو یاد آگیا ہے کہ کھانا کھانا ہے اور منتظر ہیں کہ وہ چیز آتی ہے۔ آخر وقت اس کھانے کا گذر گیا اور شام کے کھانے کا وقت ہوگیا ہے۔ اس پر بھی کوئی گرفت نہیں اور جو نرمی سے پوچھا ہے اور عذر کیا گیا ہے کہ دھیان نہیں رہا تو مسکرا کر الگ ہو گئے"۔[2]

یہاں یہ تاثر نہ ہو کہ حضرت اماں جان آپ کی صحت اور کام کے پیش نظر آپ کے کھانے اور غذا کا اہتمام نہ فرماتی تھیں۔ آپ کے نسبتی بھائی ڈاکٹر حضرت میر محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ آپ گرمی کے موسم میں شیرہ بادام بھی استعمال فرماتے۔ یخنی کا بھی استعمال

---

[1] ترمذی ابواب الطعام۔ [2] سیرت حضرت اقدس از مولانا عبدالکریم صاحب ص۱۵-۱۶۔

رہتا۔ سوتے وقت دُودھ بھی نوش فرماتے۔ بُھنا ہُوا گوشت اور مُرغ بھی آپ کو پسند تھا۔ آپ سے پوچھ لیا جاتا کہ آج آپ کیا کھائیں گے۔ لیکن خواہ کچھ پکا ہو آپ اپنی ضرورت کے مطابق کھا ہی لیا کرتے تھے۔ اور کبھی کھانے کے بدمزہ ہونے پر اپنی ذاتی توجہ سے کبھی خفگی نہیں فرمائی ۔[1]

بچوں سے حُسنِ سلوک

بچوں کے بارہ میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ :۔

"میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے۔ گویا بدمزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیّت میں اپنے تئیں حصّہ دار بنانا چاہتا ہے"۔[2]

فرمایا ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے۔ اشتعال میں بڑھتے بڑھتے ایک دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اور جرم کی حد سے سزا میں کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص خود دار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا اور پورا متحمل اور بُردبار اور باسکون اور باوقار ہو تو اسے البتہ یہ حق پہنچتا ہے کہ کسی وقت مناسب طریق پر کسی حد تک بچے کو سزا دے۔ یا چشم نمائی کرے۔ مگر مغضوب الغضب اور سبک سر اور طائش العقل ہرگز سزاوار نہیں کہ بچوں کی تربیت کا متکفل ہو۔ فرمایا جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے کاش دُعا میں لگ جائیں ۔[3]

---

[1] سیرت حضرت اقدس از مولوی عبدالکریم صہ ۲۲ ۔
[2] " " " " صہ ۲۲ ۔

خود آپ کا یہی طریق تھا آپ فرماتے ہیں۔ میں التزاماً تین دُعائیں ہر روز مانگا کرتا ہوں۔ ان میں ایک دُعا اپنے گھر والوں اور بچّوں کے لئے ہوتی ہے۔ کہ اولاد قرۃ العین ہو۔ خدا کی مرضی پہ چلنے والی ہو۔ دین کی خادم ہو۔[1]

اپنی اولاد سے آپ کی شفقت کا یہ حال تھا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پر پوری طرح عامل تھے کہ

"اولاد کی عزت کرو۔"

آپ ان کو لفظ "میاں" سے مخاطب فرماتے۔

آپ دروازہ بند کر کے تصنیف فرما رہے ہیں۔ ایک بچہ کئی بار آیا اور کہا ابّا بوّا کھول۔ یعنی ابّا دروازہ کھولئے۔ تو اُٹھ کر دروازہ کھول دیتے تھوڑی دیر کے بعد وہ بچہ پھر کسی ضرورت کے لئے آتا اور کہتا ابّا بوّا کھول۔ آپ پھر اٹھ کر دروازہ کھول دیتے اور کبھی ماتھے پر شکن نہیں آیا۔ اور کبھی بہت کہا تو اتنا۔

"میاں میں اس وقت کام کرتا ہوں زیادہ تنگ نہ کرو۔"[2]

لدھیانہ کا واقعہ ہے ایک بار سیدنا محمود نے رات کو رونا شروع کر دیا۔ آپ انہیں گود میں لے کر بہلانے لگ گئے۔ اور بہلانے کی خاطر کہا وہ دیکھو محمود ستارے۔ اب بچے نے یہ کہنا شروع کر دیا ابّا تارے جانا کہ میں نے ستارے پہ جانا ہے۔ آپ مسکرا دیئے اور فرمایا ہم نے اسے بہلانے کی خاطر کیا تھا۔ اور یہ اچھا ہوا ہم نے تو ایک راہ نکالی تھی اس نے بھی اپنی ضد کی راہ نکال لی ہے۔[3]

---

[1] سیرت حضرت اقدس صفحہ ۲۳۔۲۴ ۔ [2] سیرت المہدی حصّہ اوّل صفحہ ۵۵ ۔

[3] ۔ سیرت حضرت اقدس مولوی عبدالکریم صاحب صفحہ ۲۱، ۲۲ ۔

آپ نے سکول میں ہدایت فرمائی تھی۔

ہمارے مدرسہ میں جو استاد مارنے کی عادت رکھتا ہو اور اپنے اس سزا کے فعل سے باز نہ آتا ہو۔ اُسے یک لخت موقوف کر دو۔

فرمایا: ہم تو اپنے بچوں کیلئے دعا کرتے ہیں اور سرسری طور پر قواعد اور آداب تعلیم کی پابندی کراتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ نہیں اور پھر اپنا پورا پورا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھتے ہیں۔ جیسا کسی میں سعادت کا تخم ہوگا وقت پر سرسبز ہوگا۔[1]

ایک روز آپ کے صاحبزادے مرزا محمود احمد بچپن کی عمر میں دوسرے بچوں سے کھیلتے ہوئے آئے۔ انہوں نے کچھ کاغذ اکٹھے کئے اور ان کو آگ لگا دی اور کا تصنیف کا کوئی مسودہ جلا دیا بعد میں کاغذوں کی تلاش کرتے ہوئے پتہ چلا کہ وہ تو بچے نے جلا دیئے۔ آپ نے بچے کو کوئی سرزنش نہ کی۔ کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہ کی۔ بلکہ اس متوکل علی اللہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس سے عمدہ تصنیف کی توفیق دے گا۔

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بیان کرتی ہیں ایک بار کسی بات پر وہ روٹھ گئیں۔ حضرت اقدس کو علم ہوا تو خود بیٹی کے لئے پیالہ میں دُودھ ڈال کر اس میں ڈبل روٹی ڈال کر بچی کے سامنے میز پر رکھ کر اُسے پینے کیلئے کہا۔ آپ کے بیٹے حضرت میاں بشیر احمد صاحب کو بچپن میں شکر مرغوب تھی۔ حضور ان کے واسطے شکر منگوا کر رکھتے وہ آتے کہتے ابا چینی دیں اور آپ اٹھ کر انہیں شکر دیتے۔

یہ واقعات بظاہر چھوٹے ہیں۔ لیکن ان سے واضح ہوتا ہے کہ آپ اپنی اولاد کی کتنی دلداری فرماتے۔ آپ اس ارشاد رسولؐ پر عمل فرماتے کہ اکرموا اولادکم۔ اپنی اولاد کی عزت کرو کہ یہ خدا کی نعمت ہے۔ انہیں سبق آموز واقعات سناتے۔ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی روایت ہے کہ دس محرم کو آپ نے ہمیں اکٹھا کیا۔ اور شہادت حضرت امام حسینؓ کا سارا

---

[1] سیرت المہدی صـ۲۳

واقعہ سنایا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ نے فرمایا یزید نے نواسہ رسولؐ پر ناحق ظلم کیا۔

آپ کی دعا اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی اولاد سماء احمدیت پر شمس و قمر بن کر چمکے۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی اولاد کی احسن رنگ میں تربیت کی توفیق عطا فرمائے۔

خادموں پر آپ کی شفقت

بعض حلقوں میں گھر میں کام کرنے والے اور نوکروں کی حیثیت جانوروں سے بڑھ کر نہیں ہے۔ لیکن خدا کے اس برگزیدہ بندے کا سلوک ان سے بھی مثالی تھا۔ حضرت اقدس کے دعویٰ کے وقت قادیان میں نہ ریل گئی تھی نہ پکی سڑک۔ لوگ گھوڑوں کے ذریعہ سفر طے کرتے یا پیدل۔ حضور کبھی گھوڑے پر بٹالہ تشریف لے جاتے۔ خادم ساتھ ہوتا تو کئی دفعہ آپ خادم کو گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے فرماتے اور آپ ساتھ ساتھ پیدل ہو جاتے۔ اگر کچھ حصہ سفر آپ سوار ہوتے تو بقیہ سفر میں خادم کو سوار کرا دیتے۔ منزل پر پہنچ کر خادم کو کھانے کے لئے چار آنہ دیتے تو آپ ایک آنہ کی دال روٹی یا بھنے ہوئے چنے منگوا کر گذارہ کرتے تھے۔ واضح رہے کہ اس زمانہ میں چیزوں کے نرخ آسمان پر پہنچے ہوئے نہیں تھے۔ بلکہ بہت ارزاں تھے۔[2]

حضور کے ایک خادم حامد علی صاحب تھے۔ (حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحبؓ کے ماموں اور خسر)۔ ایک دفعہ حضور نے انہیں بعض ضروری خطوط دیئے کہ ڈاک کے سپرد کر آؤ۔ ان میں بعض خط رجسٹرڈ بھی تھے۔ حامد علی صاحب کسی کام میں مصروف ہو گئے اور خط ڈالنا

---

[1] حیات طیبہ صفحہ ۱۸۴، ۱۸۳۔ [2] سیرت حضرت اقدس از مولانا عبدالکریم صاحب صفحہ ۲۶

بھول گئے۔ کوئی ایک ہفتہ کے بعد حضور کے صاحبزادہ محمود احمد جو اس وقت چھوٹے بچے تھے۔ کچھ کاغذ اور لفافے لئے دوڑے آئے کہ ابّا ہم نے کوڑے کے ڈھیر سے یہ خط نکالے ہیں۔ حضور نے دیکھا تو یہ وہی خطوط تھے جو آپ نے اپنے خادم حامد علی صاحب کو دیئے تھے۔ اور حضور ان کے جواب کے منتظر تھے۔ آپ نے حامد علی صاحب کو بلایا اور خطوط دکھا کر بڑی نرمی سے صرف اتنا کہا۔ حامد علی تمہیں نسیان بہت ہو گیا ہے۔ فکر سے کام کیا کرو۔[1]

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے خادم حضرت انس آنحضرتؐ کی سیرت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں دس سال رہا آپؐ نے مجھے اُف تک نہیں کہا۔

خدا والوں کا سلوک خدا کے بندوں سے ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔

ایک بار ایک خادمہ نے آپ کے گھر سے کچھ چاول چوری کر لئے۔ اس کی چوری پکڑ لی گئی۔ اور گھر میں شور مچ گیا حضور اس وقت اپنے کمرے میں کام کر رہے تھے۔ شور سُن کر باہر تشریف لائے عورت کی بے چارگی دیکھی تو دل پسیج گیا۔ فرمایا یہ غریب بھوکی معلوم ہوتی ہے۔ اسے کچھ چاول دے کر رخصت کر دو اور خدا کی ستّاری کا شیوہ اختیار کرو۔[2]

دشمنوں پر شفقت

اپنوں اور خدّام سے ایسا حسن سلوک اور شفقت بھی آج نایاب جنس ہے۔ لیکن

---

[1] سیرت حضرت اقدسؑ از مولوی عبدالکریم صاحب صفحہ ۳۶۔ [2] درمنثور صفحہ ۴۶۔

دشمن سے رحمت اور احسان کا سلوک تو بڑے دل گردے کا کام ہے. لیکن خدا کے یہ بندے تو کسی کے بھی دشمن نہیں ہوتے. وہ سلیم الصدر ہوتے ہیں. کینہ یا دشمنی تو خدا نے اُن کے دلوں سے نکال دی ہوتی ہے. وہ سب کے خیر خواہ ہوتے ہیں. وہ ان سے بھی حُسن سلوک کرتے ہیں. جو اُن سے بدسلوکی کا کوئی موقعہ ضائع نہیں ہونے دیتے.

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو حضور کے ہم مکتب تھے لیکن دعویٰ ماموریت کے بعد وہ دشمنی میں بڑھتے چلے گئے. انہوں نے تمام ہندوستان میں گھوم پھر کر آپ کے خلاف کُفر کا فتویٰ مرتب کیا اور اشتعال انگیزی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی. ڈاکٹر مارٹن کلارک کے اقدام قتل کے مقدمہ میں وہ عیسائیوں کی جانب سے بطور گواہ پیش ہوئے. اس مقدمہ میں حضور کے وکیل مولوی فضل الدین صاحب تھے جو احمدی نہیں تھے. انہوں نے مولوی محمد حسین صاحب کی شہادت کو کمزور کرنے کے لئے ان کے خاندان اور حسب ونسب کے متعلق بعض طعن آمیز سوالات کرنے چاہے مگر حضور نے انہیں یہ کہہ کر سختی سے روک دیا کہ میں آپ کو ایسے سوالات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا. اور یہ الفاظ فرماتے ہوئے آپ نے جلدی سے مولوی فضل دین صاحب کے مُنہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تا ان کے مُنہ سے کوئی نامناسب لفظ نہ نکل جائے[۱]

دونوں طرف کا موازنہ کیجئے. ایک عیسائیوں کی جانب سے دائر کردہ اقدامِ قتل کے جھوٹے مقدمہ میں پھانسنے کیلئے گواہ بن کر آیا ہے. اس کی شرم وحیا اخلاق اسے اس کی اجازت دیتے ہیں. لیکن اس کی گواہی کو کمزور کرنے کے لئے اپنے وکیل کو اس پر سوالات کی حضور اجازت نہیں دیتے. وہ جان کا دشمن بن چکا ہے. لیکن حضور یہ موقعہ

---

[۱] سیرت المہدی حصّہ اوّل ص۲۴۷ تا ۲۴۸.

بھی وکیل کو نہیں دیتے کہ اسے اُس کے گریبان میں جھانکنے پر مجبور کر دیں۔

حضور کے بعض رشتہ دار حضور کو ہمیشہ گزند پہنچانے پر تُلے رہتے۔ ایک بار حضور کے چچازاد بھائی نظام دین اور امام دین نے ایذاء رسانی کیلئے حضور کے گھر کے قریب والی مسجد مبارک کے رستہ میں دیوار کھینچ دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مسجد میں آنے والے نمازیوں اور ملاقاتیوں کو سخت تکلیف ہوتی۔ اُنہیں بہت بڑا چکر کاٹ کر مسجد آنا پڑتا۔ لاچار اس مصیبت کو دُور کرنے کیلئے وکلاء کے مشورہ سے قانونی چارہ جوئی کرنی پڑی اور ایک لمبے عرصہ تک یہ تکلیف دِہ مقدمہ چلتا رہا۔ بالآخر خدائی نصرت اور بشارت کے مطابق حضرت اقدس کو مقدمہ میں کامیابی ہوئی اور یہ دیوار گرائی گئی۔ اس پر حضور کے وکیل نے حضور سے اجازت لئے بغیر مرزا نظام دین صاحب اور مرزا امام دین صاحب کے خلاف خرچہ کی ڈگری حاصل کر کے قرقی کا حکم جاری کرالیا۔ جب قرقی کا حکم جاری ہُوا تو ان دونوں مرزا صاحبان نے بڑی لجاجت سے حضور کو خط لکھا کہ آپ بھائی ہو کر اس قرقی کے ذریعہ ہمیں کیوں ذلیل کرنے لگے ہیں۔ اور یہ یوسف کے بھائی بھول گئے کہ ان بھائیوں نے مسجد میں جانے والے نمازیوں کی راہ بند کی تھی اور حضور کو ایک قسم کا محصور کرنا چاہا تھا۔ اور اَب اُن کے پاس قرقی کا بے باقی کے لئے پورا روپیہ بھی نہ تھا۔ لیکن جب حضور کو ان کا یہ خط پہنچا تو آپ نے انہیں فوراً جواب بھجوایا۔

"آپ بالکل مطمئن رہیں کوئی قرقی نہیں ہوگی یہ ساری کارروائی میرے علم کے بغیر ہوئی ہے"[1]

---

[1] درمنثور صفحہ ۶۳، ۶۴

قدرت پانے پر دشمن کو معاف کر دینا تو صلحاء کا ہی شیوہ ہے کہ ایک دُنیا دار اس کا حوصلہ ہی نہیں پاتا۔ وہی ہیں جو طاقت ملنے پر انہیں آزاد کر دیتے ہیں۔

گالیاں دینے والے سے حُسنِ سلوک

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی بیان کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک مولوی قادیان آیا۔ وہ حضور سے بحث کرنے لگ گیا۔ حضور اسے جواب دیتے رہے۔ وفات و حیات مسیح پر گفتگو تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جلد عاجز آگیا اور خاموش ہو گیا۔ اس پر حضور نے اُسے پوچھا کیا آپ سمجھ گئے ہیں۔ اس نے کہا۔ جی میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ دجّال ہیں۔ کیونکہ دجّال کی صفت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ بحث میں دوسروں کا منہ بند کر دے گا۔ وہ قادیان سے چلا گیا تو امرتسر جا کر اس نے ایک اشتہار شائع کروایا اس میں یہ واقعہ درج کیا اور لکھا کہ مَیں نے یہ الفاظ ان کے منہ پر کہے۔ لیکن جب آپ اندر تشریف لے گئے تو مَیں نے ایک رقعہ بھیجا کہ مَیں ضرورت مند ہوں۔ کچھ سلوک میرے ساتھ کرنا چاہیئے رقعہ ملتے ہی آپ نے فوراً پندرہ روپے بھیج دیئے[1]

اس واقعہ کے راوی حضرت منشی ظفر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضور نے اس دہش کا کسی سے ذکر نہ کیا تھا۔ اگر وہ مولوی نہ لکھتا تو کسی کو بھی پتہ نہ چلتا۔

واقعہ پر غور فرمایئے۔ دشمن زبانِ طعن دراز کرتا ہے۔ وہ مُنہ پر آپ کو نعوذ باللہ دجّال کہتا ہے لیکن جب وہ مدد کے لئے درخواست کرتا ہے تو حضور اس کی ایک گرانقدر رقم سے مدد کرتے ہیں۔ اس وقت پندرہ روپے کوئی معمولی رقم نہ تھی۔ ایک کلرک کی

---

[1] اصحاب احمد جلد ۴ صفحہ ۱۳۶ و ۱۳۸۔

ایک دو ماہ کی تنخواہ کے برابر تھی یہ رقم۔

دشمن کے علاج کی اجازت

قادیان سے آریہ سماج ایک اخبار شبھ چنتک نکلتا تھا۔ جس کا کام ہی حضرت اقدس کے خلاف زبان طعن دراز کرتا تھا۔ طاعون کے زمانہ میں حضور کی پیشگوئی کے بالمقابل انہوں نے کہا کہ ہم بھی پیشگوئی کرتے ہیں کہ ہم بھی محفوظ رہیں گے لیکن جب وہ خدا کی تقدیر کا شکار ہوئے تو اس کے ادارتی عملہ میں سے سومراج نامی نے حضور کے مخلص مرید حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل کو کہلا بھیجا کہ میں بیمار ہوں آپ از راہِ کرم میرا علاج کریں مولوی صاحب نے تحریری طور پر حضور کی خدمت میں ایک عریضہ لکھ کر اس کے علاج کی اجازت چاہی تو حضور نے اس پر فرمایا :۔

"آپ ضرور علاج کریں۔ کیونکہ انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے۔ مگر میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ یہ شخص بچے گا نہیں۔" [1]

چنانچہ خدا کے مامور کے منہ سے نکلی ہوئی بات پوری ہوئی کہ سومراج باوجود علاج کے جانبر نہ ہو سکا۔

جانوروں پر شفقت

انسانوں پر شفقت کا بیان تھا۔ خدا کے پیارے اس کی صفت رحم کا کامل مظہر ہوتے ہیں۔ ان کی رحمت صرف انسانوں کے لئے ہی نہیں جانور بھی ان کی شفقت و رحم

---

[1] در منثور ص ۱۳۶ تا ص ۱۳۷۔

سے حصّہ پاتے ہیں. کہ وہ بھی اس کی مخلوق ہوتے ہیں۔ جانوروں پر شفقت کے کئی واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی میں ہمیں نظر آتے ہیں۔ آپ نے ایک صحابی کے دریافت کرنے پر فرمایا تھا ہاں ہر جاندار پر شفقت کا خدا سے اجر ملے گا۔

سیّد میر محمد اسماعیل صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز حضور کے صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود احمد دالان کے دروازے بند کر کے چڑیاں پکڑ رہے تھے حضور نے جمعہ کی نماز کے لئے جاتے ہوئے ان کو دیکھ لیا اور فرمایا:۔

"میاں گھر کی چڑیاں نہیں پکڑا کرتے جس میں رحم نہیں اس میں ایمان نہیں۔"[۱]

بظاہر یہ ایک چھوٹی سی بات ہے مگر اس سے حضور کی شفقت اور جذبۂ ترحّم پر روشنی پڑتی ہے۔

یہ اس کی شفقت و رحمت کا مختصر بیان تھا جس کے آقا کو خدائے ذوالعرش نے رؤوف، رحیم اور رحمۃ للعالمین قرار دیا تھا۔ آپ ظلّ تھے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم کے۔ آپ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔ ؎

دگر اُستاد را نامے نہ دانم ٭ کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

کہ مَیں کسی دوسرے استاد کا نام بھی نہیں جانتا کہ میں تو محمد صلے اللہ علیہ وسلّم کے مکتب کا تلمیذ ہوں۔

آپ کی یہ کوشش ہوتی کہ آپ اپنے آقا کے نقشِ قدم پر چلیں۔ اور یہ خدا کی دی ہوئی توفیق اور فضل کے بغیر ممکن نہیں۔ آپ اپنے آقا کی شفقت اور محبّت کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

---

[۱] سیرت المہدی حصّہ اوّل صفحہ ۱۷۲۔

آں ترحمہا کہ خلق از وَے بدید
کس ندیدہ درجہاں از مادرے

کہ وہ شفقت جو مخلوق نے آپ سے دیکھی۔ یہ شفقت دُنیا میں کسی نے
اپنی ماں سے بھی نہیں دیکھی ہو گی۔

اور حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی سیرت کے مطالعہ کے بعد آپ کی شفقت اور رحمت کو دیکھکر ہم آپ کے بارہ میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی شفقت بھی اس شعر کے مصداق تھی۔

مبارک ہیں یہ شاگرد اور مبارک ہے وہ آقا جس کے فیضان نے یہ جلوہ دکھایا۔ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

مختصر خاندانی حالات اور سوانح

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب ۱۴ شوال ۱۲۵۰ھ بمطابق ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء بروز جمعہ بوقت نماز فجر مرزا غلام مرتضیٰ کے گھر قادیان کی بستی میں پیدا ہوئے۔ آپ پنجاب کے ایک مشہور مغل خاندان سے تھے۔ اُن کے جدِ اعلیٰ مرزا ہادی بیگ امیر تیمور کے چچا حاجی برلاس کی نسل سے تھے۔ یہ اپنا وطن چھوڑ کر پنجاب میں لاہور سے قریباً ستر میل جانب مشرق دریائے بیاس کے قریب ایک جنگل میں آباد ہوئے اور اس کا نام اسلام پور رکھا۔ مرزا ہادی بیگ کو دہلی کی شاہی حکومت کی طرف سے اس علاقہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ اس لئے آہستہ آہستہ یہ اسلام پور قاضیاں کہلانے لگا۔ اور مرورِ زمانہ سے صرف قاضیاں کہلایا جو بالآخر بگڑ کر قادیان بن گیا۔

مرزا ہادی بیگ کو قادیان کے ارد گرد بہت سے دیہات بطور جاگیر عطا ہوئے۔ اس خاندان کے افراد دربارِ مغلیہ میں ہمیشہ عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ مرزا غلام مرتضیٰ کے دادا کو مغلیہ حکومت کی طرف سے عضد الدولہ کا خطاب اور ہفت ہزاری کا منصب ملا۔ اس عہدہ کا مطلب یہ تھا کہ وہ سات ہزار فوج رکھ سکتے ہیں۔ اُن کے عہد میں ایک بار دربارِ دہلی کا وزیر غیاث الدولہ قادیان بھی آیا تھا جب سلطنتِ مغلیہ کمزور ہوئی اور سکھوں نے پنجاب میں زور پکڑا تو ابتدا میں اس خاندان نے سکھوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن اس خاندان کو ایک بار قادیان سے نکلنا پڑا۔ اس وقت قادیان کی صورت ایک قلعہ کی تھی۔ پھر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں مرزا غلام مرتضیٰ اپنے

وطن قادیان واپس ہوئے ۔لیکن باوجود اس کے کہ اُن کے خاندان کی ریاست اسّی گاؤں پر مشتمل تھی۔انہیں قادیان کے چند دیہات پر حقوق ملکیت دیئے گئے۔

بچپن، تعلیم، شباب

حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب نے اپنے خاندانی دستور کے مطابق اپنے بیٹے کو گھر پر ہی رکھ کر تعلیم دلوائی۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے سترہ برس کی عمر تک فارسی عربی، صرف و نحو، منطق اور طب کی تعلیم مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔جب آپ عالم شباب کو پہنچے تو آپ کا سارا وقت مطالعہ میں صرف ہوتا۔اوائل عمر میں گھوڑ سواری اور تیراکی کا بھی آپ کو شوق تھا۔صحت کی درستی کے خیال سے آپ سیر اور ہلکی ورزش بھی کیا کرتے۔مطالعہ میں سب سے زیادہ انہماک آپ کا قرآن میں تھا۔آپ کے والد محترم آپ کے کثرت مطالعہ کی وجہ سے آپ کی صحت کے بارہ میں فکرمند ہوئے۔آپ کی توجہ کو مطالعہ اور غور و فکر سے مبذول کرنے کے لئے انہوں نے خاندانی کام یا ملازمت کی طرف آپ کو راغب کرنا چاہا۔ والد محترم کی خواہش کی تکمیل میں آپ نے کچھ عرصہ سیالکوٹ کے دفتر ضلع میں ملازمت اختیار کی۔ مگر اس عرصہ میں دفتری وقت کے علاوہ آپ کا سب وقت یا تو مطالعہ اور عبادت میں صرف ہوتا یا علمی مباحثات میں۔

سیالکوٹ کے قیام کے عرصہ میں آپ کے دوست و دشمن سبھی کی شہادت ہے کہ آپ نے دیانت، شرافت کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا۔آپ کے شدید اصرار پر والد محترم نے آپ کو سرکاری ملازمت سے مستعفی ہونے کی اجازت دے دی۔

سنہ ۱۸۶۸ء کے قریب آپ کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوا اور سنہ ۱۸۷۶ء میں آپ کے

والد محترم عالمِ جاودانی کو جا سدھارے۔ والد صاحب کی وفات پر طبعی طور پر آپ کو صدمہ اور فکر ہوا تو آپ کو الہام ہوا "اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ" کیا خدا اپنے بندے کے لئے کافی نہیں۔

آپ کی پہلی تصنیف

اس زمانہ میں ایک طرف عیسائیت زور کر رہی تھی تو دوسری طرف ہندوؤں میں آریہ تحریک نے نئی بیداری پیدا کر دی اور یہ دونوں مذہب ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اسلام پر قلمی حملے کر رہے تھے۔ تب آپ نے براہین احمدیہ کتاب تصنیف فرمائی۔ کتاب پانچ جلدوں میں تھی۔ اس کی پہلی جلد ۱۸۸۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی اشاعت پر مسلمانوں کی طرف سے بہت عمدہ تبصرے ہوئے۔ اس کتاب میں اسلام کی صداقت اور قرآن اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر ٹھوس علمی دلائل آپ نے تحریر فرمائے اور مخالفینِ اسلام کو اس کے مقابلہ کی دعوت دی۔

ماموریت کا آغاز

۱۸۸۲ء میں آپ کو ماموریت کا پہلا الہام ہوا۔ ۱۸۸۶ء کو آپ قادیان سے چالیس میل مشرق کی جانب ہوشیارپور میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے چالیس دن تک چلہ کشی کی۔ ان ایام میں آپ پر بہت سے انوار سماوی کا انکشاف ہوا۔ اور آپ کو ایک پسرِ موعود کی خوشخبری دی گئی۔ جسے آپ نے سبز رنگ کے کاغذ پر چھپوایا۔ ۱۸۸۸ء میں آپ نے خدا سے حکم پا کر اعلان فرمایا اور دس شرائط بیعت

کا اعلان فرمایا۔ اس سے پہلے آپ کے بعض مخلص مرید آپ کو بیعت کے لئے کہتے تو آپ فرماتے۔ مجھے ابھی اذن نہیں ہُوا۔ جب خدا کی طرف سے آپ کو بیعت کا ارشاد ہُوا تو ۲۳، مارچ ۱۸۸۹ء کو آپ نے اپنے ایک مخلص مرید صوفی احمد جان کے مکان واقع لدھیانے میں بیعت لی۔ اس پہلی بیعت میں چالیس افراد نے بیعت کی۔ ہر بیعت کنندہ سے خصوصیت سے یہ عہد لیا جاتا تھا کہ "مَیں دین کو دُنیا پر مقدم رکھوں گا سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحب تھے جو بھیرہ کے رہنے والے تھے۔ اور مہاراجہ جموں کے شاہی طبیب تھے۔

سلسلہ بیعت کے بعد مخالفت کا آغاز ہُوا۔ لیکن آپ کی جماعت روز بروز بڑھتی گئی۔ دینِ حق کی اشاعت کا جذبہ رکھنے والے آپ کے گرد جمع ہونا شروع ہوئے۔ بیعت کے بعد آپ اکثر بیعت کرنے والوں کو نیکی اور تقوٰی میں ترقی کرنے کے لئے نصیحت فرماتے۔ آہستہ آہستہ دُور دراز سے لوگ قادیان آنا شروع ہوئے ۱۸۹۱ء میں دسمبر کے آخری ہفتہ میں آپ نے ایک جلسہ کا اعلان فرمایا۔ اس پہلے جلسہ میں پچھتر آدمی شریک ہوئے تھے۔ اس کے بعد ہر سال یہ جلسہ قادیان اور تقسیم ملک کے بعد ربوہ میں منعقد ہوتا ہے۔

آپ نے اپنی زندگی میں اسّی سے اوپر کُتب تصنیف فرمائیں۔ تحریری طور پر مباحثات کئے۔ سینکڑوں اشتہارات اسلام کی تائید میں شائع فرمائے۔ متعدد سفر اختیار فرمائے۔

وفات

وفات سے دو تین ماہ قبل آپ کو قربِ وفات کے الہامات ہونا شروع ہوئے۔

اس لئے آپ نے ایک رسالہ "الوصیۃ" لکھا جس میں وصیت کے نظام کا اعلان فرمایا۔ اور اپنے بعد نظامِ خلافت کا ذکر فرمایا۔ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء بروز منگل صبح ساڑھے دس بجے آپ نے لاہور میں وفات پائی۔ وفات کے وقت آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کے دونوں صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود احمد اور مرزا بشیر احمد، آپ کے خسر میر ناصر نواب صاحب۔ ڈاکٹر صاحبان۔ مولانا نور الدین اور متعدد احباب موجود تھے۔ بوقت وفات آپ کی زبان پر "اللہ میرے پیارے اللہ" کے الفاظ تھے۔ اور یہ الفاظ دہراتے ہوئے آپ کی رُوح اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہوگئی۔ راتوں رات آپ کا جنازہ قادیان پہنچایا گیا۔ آپ کی تدفین سے قبل جماعت نے حضرت مولانا نور الدین کو بموجب نظام وصیت آپ کا جانشین منتخب کیا گیا۔ انتخابِ خلافت کے بعد مولانا نور الدین نے آپ کا جنازہ پڑھایا۔ اور آپ کے جسم اطہر کو مقبرہ بہشتی میں دفن کیا۔ آپ کی وفات پر مُلک کے متعدد جرائد نے آپ کے تبحرِ علمی اور سحر انگیز شخصیت، تقویٰ اور صلاحیت پر نوٹ لکھے جن میں آپ کو اسلام کے فتح نصیب جرنیل کے لقب سے یاد کیا گیا۔ امرتسر کے اخبار وکیل نے لکھا:۔

"یہ نازش فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عام پر آتے ہیں۔"

رسالہ تہذیب النسواں نے آپ کو "بلند ہمت مصلح" کے الفاظ سے خراجِ تحسین ادا کیا۔

علمی دنیا میں آپ نے جو لٹریچر چھوڑا اس کے بارہ میں اخبار وکیل کے ایڈیٹر نے لکھا کہ:۔

"مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے

ظہور میں آیا۔ مقبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔"

آج جب یہ چند سطور سپردِ قلم کر رہا ہوں جماعت کے موجودہ امام حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ہیں جو سیّدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ کی وفات پر جماعت کے چوتھے امام منتخب ہوئے۔ یہ جماعت دُنیا کے ہر گوشہ میں پھیل چکی ہے۔ ان کے جلسہ سالانہ پر لاکھ ڈیڑھ لاکھ افراد ملک کے ہر گوشہ اور متعدد ممالک سے دسمبر کے آخر میں ربوہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ ان کا سالانہ بجٹ جو اشاعتِ اسلام کے لئے صرف کرتے ہیں اَب کروڑوں سے متجاوز کر چکا ہے۔ افریقہ کے ممالک بالخصوص غانا، سیرالیون، نائیجیریا اور انڈونیشیا میں ان کے مضبوط مرکز قائم ہیں۔ وہ آواز جو قادیان کی بستی سے مرزا غلام احمد نے بلند کی تھی اس کی صدائے بازگشت آج ہر جگہ سنائی دے رہی ہے۔

۱۹۴۷ء میں تقسیمِ ملک کے وقت قادیان کی اکثر آبادی کو ہجرت کر کے پاکستان آنا پڑا۔ یہاں دریائے چناب کے کنارے ایک چٹیل میدان جسے ناقابلِ کاشت قرار دیا جا چکا تھا۔ حکومت سے خرید کر اس پر ربوہ شہر بسایا اور مختلف سکول، کالجز، لائبریری، ہسپتال، مشنری کالج تعمیر کئے۔ یہ سطور لکھتے وقت اس کی آبادی تیس ہزار کے قریب پہنچ چکی ہے۔

برِاعظم افریقہ کے کئی ممالک میں ہسپتال، سکولز، کالجز جماعت تعمیر کر چکی ہے۔ جن کی حُسنِ کارکردگی اور خوبصورت عمارتیں ان کے عزم اور خلوص کی مُنہ بولتی تصویریں ہیں۔ کئی ممالک میں جامعہ احمدیہ یعنی مشنری کالجز کی شاخیں قائم کر چکے ہیں۔ ہر احمدی اپنی آمد کے سولہویں حصّہ سے لیکر دسویں حصّہ تک اور بعض قربانی کرنے

والے افراد اس سے بھی زیادہ اشاعتِ دینِ حق کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

قرآنِ مجید کے تراجم مختلف زبانوں میں وہ شائع کر چکے ہیں۔ مختلف ممالک میں اشاعت لٹریچر کیلئے پریس قائم ہو چکے ہیں۔ جہاں سے اُن کی کتب اور جرائد شائع ہو رہے ہیں۔

افریقہ کے بعض ممالک میں سینکڑوں مساجد تعمیر ہو چکی ہیں۔ جن میں سے بعض اپنی وسعت اور دلکشی کی وجہ سے ہر راہ گذر کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ ابھی حال ہی میں قریباً آٹھ سو سال کے وقفہ کے بعد پیدرو آباد سپین میں مسجد تعمیر کر کے انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ دینِ حق کی عظمت کے قیام کا انہوں نے بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ۔

الناشر:۔ عبدالمالک دارالذکر ۱۱۵۔ اے علامہ اقبال روڈ لاہور ۵

مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ

کتابت:۔ محمد رفیق احمد ربوہ